لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ

القران الحکیم ۱۲:٦٥

سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نمبر

النور

شہادت ۱۳۸۹ھش
اپریل ۲۰۱۰ء

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

21-۲۱

AMC Seattle Chapter members with the Mayor Karen Guzak and Interfaith Guest Speaker Father Jay

AMC North Jersey Chapter members celebrating Musleh Mau'ood Day

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ (2:258)

النــــور

اپریل 2010

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

لکھنے کا پتہ:
karimzirvi@yahoo.com
Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

وَاَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ...

(الزمر : 55)

اور اپنے ربّ کی طرف جھکو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ پیشتر اس کے کہ تم تک عذاب آجائے۔

{700 احکام خداوندی صفحہ 58}

قرآن کریم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ○

(ال عمران: 32-33)

تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ تُو کہہ دے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام :

سوال: مسیح نے اپنی نسبت یہ کلمات کہے' میرے پاس آؤ تم جو تھکے ماندے ہو کہ میں تمہیں آرام دوں گا'' اور یہ کہ'' میں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں میں زندگی اور راستی ہوں''۔ کیا بانی اسلام نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔

الجواب: قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الخ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا پیارا بن جاتا ہے مسیح کے گزشتہ اقوال پر غالب ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ انسان خدا کا سارا ہو جائے۔ پس جس کی راہ پر چلنا انسان کو محبوب بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کس کا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صفحہ 46)

''میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت ﷺ کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذّت کا طالب ہو جاتا ہے پھر بعد اس کے مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت ﷺ کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ 62)

۔۔۔۔حدیثِ مبارکہ۔۔۔۔

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِیْ ھِنْدَ بْنَ اَبِیْ ھَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ يَّصِفَ لِیْ شَيْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَا لَؤُ وَجْهُهٗ تَلَا لُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيْمَ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِاِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرِقَ وَاِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ اِذْ هُوَ وَفَرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرْنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُّدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَی الْعِرْنَيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَّعْلُوْهُ يَحْسَبُهٗ مَنْ لَّمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعَ الْفَمِ مُفْلَحَ الْاَسْنَانِ دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِیْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءَ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِيْضَ الصَّدْرِ بَعِيْدَ مَابَيْنَ مَنْكِبَيْنِ ضَخْمَ الْكَرَادِيْسِ اَنْوَرَ الْمُتَجَرَّدِ مَوْصُوْلَ مَابَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِیْ كَالْخَطِّ عَادِیَ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰی ذٰلِكَ اَشْعَرَ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَاَعَالِیَ الصَّدْرِ طَوِيْلَ الزَّنْدَيْنِ رَحْبَ الرَّاحَةِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ سَائِلَ الْاَطْرَافِ اَوْقَالَ شَائِلَ الْاَطْرَافِ خَمْصَانَ الْاَخْمَصَيْنِ مَسِيْحَ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْعَنْهُمَا الْمَآءُ اِذَازَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُوْاتَكَفِّيًا وَيَمْشِیْ هَوْنًا ذَرِيْعَ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰی كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَّ اِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِيْعًا خَافِضَ الطَّرْفِ نَظْرُهٗ اِلَی الْاَرْضِ اَكْثَرُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَی السَّمَاءِ جُلُّ نَظْرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ يَبْدَءُ مَنْ لَقِیَ بِالسَّلَامِ۔

(شمائل ترمذی باب فی خلق رسول اللہ صلَّی اللہعلیہ وسلم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت ﷺ کا حلیہ پوچھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا حلیہ بیان کرنے میں بڑے ماہر تھے۔اور میں چاہتا تھا کہ یہ میرے پاس ایسی باتیں بیان کریں جنہیں میں گرہ میں باندھ لوں۔ چنانچہ ہند نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ بارعب اور وجیہہ شکل وصورت کے تھے چہرہ مبارک یوں چمکتا تھا گویا چودھویں کا چاند۔ میانہ قد یعنی پستہ قامت سے دراز اور طویل القامت سے کسی قدر چھوٹا۔ سر بڑا۔ بال خم دار اور گھنے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ مانگ نمایاں، رنگ کھلتا ہوا سفید، پیشانی کشادہ، ابرو لمبے باریک اور بھرے ہوئے جو باہم ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ درمیان میں سفید سی جگہ نظر آتی تھی جو غصہ کے وقت نمایاں ہوجاتی تھی۔ ناک باریک جس پر نور جھلکتا تھا جو سرسری دیکھنے والے کو اٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔ ریش مبارک گھنی۔ رخسار نرم اور ہموار، دہن کشادہ۔ دانت ریخدار اور چمکیلے۔ آنکھوں کے کوئے باریک۔ گردن صراحی دار چاندی کی طرح شفاف جس پر سرخی جھلکتی تھی۔ معتدل الخلق۔ بدن کچھ فربہ لیکن بہت موزوں۔ شکم وسینہ ہموار۔ صدر چوڑا اور فراخ، جوڑ مضبوط اور بھرے ہوئے۔ جلد چمکتی ہوئی نازک اور ملائم، چھاتی اور پیٹ بالوں سے بالکل صاف سوائے ایک باریک سی دھاری کے جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں اور کندھوں پر کچھ کچھ بال، پہنچے لمبے، ہتھیلیاں چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی، انگلیاں لمبی اور سڈول، پاؤں کے تلوے قدرے بھرے ہوئے، قدم نرم اور چکنے کہ پانی بھی ان پر سے پھسل جائے جب قدم اٹھاتے تو پوری طرح اٹھاتے۔ رفتار باوقار لیکن کسی قدر تیز جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں جب کسی کی طرف رُخ پھیرتے تو پورا رُخ پھیرتے۔ نظر ہمیشہ نیچی رہتی۔ یوں لگتا جیسے فضا کی نسبت زمین پر آپ کی نظر زیادہ پڑتی ہے۔ آپؐ اکثر نیم وا آنکھوں سے دیکھتے۔ اپنے صحابہؓ کے پیچھے پیچھے چلتے اور ان کا خیال رکھتے، ہر ملنے والے کو سلام میں پہل فرماتے۔

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سی ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اُس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد ہے صلے اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی شناخت کیلئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قرب و محبت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں۔ سب سے ادنیٰ درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرّ ورسے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو۔ اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالےٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و ملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا درجہ محبت کا وہ ہے۔۔۔ جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اُس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے جس کو روح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبتِ الٰہی کا انسانی محبت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام اجزاء اور تمام رگ و ریشہ پر استیلا پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے، اور اس حالت میں آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلب انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اٹھتا ہے اور اُس کی لوئیں اور شعلے اردگرد کو روزِ روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اُس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ ہر یک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر یک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصوّر نہیں۔ اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو رایٰ مارایٰ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کاملؐ ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہاء ہے۔ حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سی ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اُس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمدؐ ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔

(روحانی خزائن جلد نمبر 3 ۔ توضیح مرام صفحہ 63-64)

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

فَطَلَعْتَ یَا شَمْسَ الْهُدٰی نُصْحًا لَّهُمْ　　لِتُضِیْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِیْ

سوائے آفتابِ ہدایت! تُو نے ان کی خیر خواہی کیلئے طلوع کیا تا کہ اپنے نورانی چہرہ سے توانہیں منور کر دے۔

اُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِیْمٍ مُّحْسِنٍ　　فِی الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْیَانِ

تو ربِّ کریم محسن کی طرف سے خوفناک فتنے اور طغیان وسرکشی کے وقت بھیجا گیا۔

یَا لَلْفَتٰی مَا حُسْنُهٗ وَجَمَالُهٗ　　رَیَّاهُ یُصْبِی الْقَلْبَ كَالرَّیْحَانِ

واہ! کیا ہی جوان مرد ہے! کیسے حسن و جمال والا ہے! جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح موہ لیتی ہے۔

وَجْهُ الْمُهَیْمِنِ ظَاهِرٌ فِیْ وَجْهِهٖ　　وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہوگئیں۔

هُوَ جَنَّةٌ اِنِّیْ اَرٰی اَثْمَارَهٗ　　وَقُطُوْفُهٗ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِیْ

آپ ایک باغ ہیں۔ بے شک میں دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل اور اس کے خوشے میرے دل کیلئے جھکا دیئے گئے ہیں۔

وَاللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ رَاَیْتُ جَمَالَهٗ　　بِعُیُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَكَانِیْ

بخدا! میں نے آپ کے جمال کو اپنی جسمانی آنکھوں سے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ دَائِمًا　　فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَبَعْثٍ ثَانِ

اے میرے ربّ! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیجتا رہ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔

(انتخاب از اَلْقَصَائِدُ الْاَحْمَدِیَّةُ)

☆......☆......☆......☆

خطبہ جمعہ

اب حقیقی نور صرف اور صرف آنحضرت ﷺ پر اُتری ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں ہے

جوروحانی نور اللہ تعالیٰ کے خاص فیض سے اس کے خاص بندوں پر آسمان سے اتراھے اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں سے جُڑ جاؤ تویہ نور پھر تمھارے دلوں کو بھی روشن کردے گا

آج اگر کسی کو اللّٰہ تعالیٰ اوراس کے رسولؐ سے محبت کا دعویٰ ہے تو مسیح موعودؑ سے تعلق جوڑنا بھی ضروری ہے۔ آج جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس سلسلہ تعلق کی وجہ سے خلافت سے بھی جڑی ہوئی ہے اور اس نور سے بھی فیض پا رہی ہے جو اللّٰہ تعالیٰ روحانی نور کی صورت میں انبیاء کے ذریعہ ظاہر فرماتاہے

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 04 ردسمبر 2009ء بمقام مسجد بیت الفتوح، لندن (برطانیہ)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(البقرۃ:258)

یہ آیت جومَیں نے تلاوت کی ہے اس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لانے والے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ ولی ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اس آیت کا پہلے بھی کسی خطبے میں ذکر ہو چکا ہے لیکن وہاں لفظ ولی اور اللہ تعالیٰ کی صفت ولی کے حوالے سے یہ ذکر ہوا تھا۔ لیکن آج مَیں اللہ تعالیٰ کی جو صفت نُور ہے یا لفظ نُور ہے اس کے حوالے سے بات کروں گا۔

لغات میں لکھا ہے کہ نُور اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ میں سے ایک صفت ہے اور اَلنُّوْر: ابن اثیر کے نزدیک وہ ذات ہے جس کے نُور کے ذریعہ جسمانی اندھا دیکھتا ہے اور گمراہ شخص اس کی دی ہوئی سمجھ سے ہدایت پاتا ہے۔ یہ معنے لسان العرب میں لکھے ہیں۔ پھر اسی طرح لسان میں دوبارہ لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک نور سے مراد وہ ذات ہے جو خود ظاہر ہے اور جس کے ذریعے سے ہی تمام اشیاء کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نُور سے مراد وہ ہستی ہے جو اپنی ذات میں ظاہر ہے اور دوسروں کے لئے بات کو ظاہر کرتی ہے۔

پھرلسان میں لکھا ہے، ابومنصور کہتے ہیں کہ ''نُورُاللہ'' نُورُاللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ آپ فرماتا ہے

اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

(النور:36)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بعض کا خیال ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ ہی ہے جو آسمان میں رہنے والوں اور زمین میں رہنے والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اور بعض کے نزدیک

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

(النور:36)

کا مطلب ہے کہ مومن کے دل میں اس کی ہدایت کے نور کی مثال طاق میں رکھے ہوئے چراغ کی سی ہے۔

اَلنُّوْر اس پھیلنے والی روشنی کو کہتے ہیں جو اشیاء کے دیکھنے میں مدد دیتی ہے اور یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ دنیوی اور اخروی۔ پھر کہتے ہیں دنیوی نُور پھر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ نُور جس کا ادراک بصیرت کی نگاہ سے ہوتا ہے اور یہ وہ نُور ہے جو الٰہی امور میں بکھرا پڑا ہے جیسے نُورِ عقل اور نُورِ قرآن۔ دوسرے وہ نور جس کو جسمانی آنکھ کے ذریعہ سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اہل لغت اس کے معنے بیان کرتے ہوئے بعض آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ مثلاً نورِ الٰہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

(المائدة:16)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نُور اور کتاب مبین آ چکی ہے۔

اسی طرح فرمایا:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

(الانعام:123)

اور ہم نے اس کے لئے روشنی کی جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور اس سے نکل نہ سکے۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا نام نُور رکھا ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہی منور ہے یعنی ہر چیز کو روشن کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا نام نُور اس وجہ سے ہے کہ وہ یہ کام یعنی روشن کرنا بہت زیادہ کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ پھر اس آیت کی مثال دی گئی ہے کہ

اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

یعنی اللہ ہی ہے جس کے نور سے آسمانی اور زمینی حقائق الاشیاء کا علم ہوتا ہے اور وہ اپنے ولیوں کو پھر اس نور سے منور کرتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنے آپ کو

نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ

کہا ہے اور اس کی مثال جیسا کہ میں نے بتایا اہل لغت نے دی ہے۔ تو اس آیت میں اپنے اس نُور کی مثال دے کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نُور ہے۔ لیکن یہ نُور انسانوں پر پڑتے ہوئے انہیں کس طرح منور کرتا ہے۔ یہ سورۃ نور کی آیت ہے یہ بھی چند ماہ پہلے مَیں ایک جگہ بیان کر چکا ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ۔ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(النور:36)

یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشہ کے شمع دان میں ہو۔ وہ شیشہ ایسا ہو گویا کہ ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔ وہ (چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو نہ مغربی۔ اس (درخت) کا تیل ایسا ہے کہ قریب ہے کہ وہ از خود بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اسے آگ کا شعلہ نہ بھی چھوا ہو۔ یہ نور علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔

اس آیت کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر کی روشنی میں جیسا کہ مَیں نے بتایا چند ماہ پہلے مَیں ایک اور مضمون کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ اب یہاں اس کی تفصیل تو بیان نہیں کرتا لیکن اس کا خلاصہ بیان کر کے اس مضمون کو پھر آنحضرت ﷺ کے صحابہ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے بیان کروں گا۔

اس نُور کی جو مثال دی گئی ہے وہ آنحضرت ﷺ کی ذات تک ہی ہے یا اس میں وسعت ہے۔ پچھلی دفعہ مَیں نے تفصیل بیان کی تھی۔ شاید بعضوں کا خیال ہو کہ آنحضرت ﷺ کی ذات تک محدود ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا نُور ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلا اعلان ہی یہ فرمایا کہ

اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس لئے ہر چیز اس کے نور سے ہی فیض پاتی ہے اور فیض پا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جو اپنی ذاتی ہوشیاری یا علم یا عقل سے اس کے نُور کو حاصل کر سکے۔ وہ خود چاہے تو مہیا کرتا ہے اور اس کے طریقے ہیں۔ یہ نُور اللہ تعالیٰ کس طرح ہے اور کیوں ہے اس لئے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے کہ مَیں نے ہی زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

(ابراھیم:33)

کہ اللہ وہ ہستی ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

اس میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر انہیں انسانوں کے لئے مسخر کیا۔ جب اس نے پیدا کیا تو وہی ہے جو روحانی روشنی بھی عطا فرماتا ہے اور مادی بھی۔ پس حقیقی نُور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو دیکھنے والی آنکھ کو ہر جگہ، ہر روح میں، ہر جسم میں، ہر چیز میں نظر آتا ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جس کی روحانی آنکھ اندھی ہو اسے یہ نُور نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک مومن اس یقین پر قائم ہے کہ ہماری کائنات اور جتنی بھی کائناتیں ہیں جن کا علم انسان کو ہے یا نہیں ہے، ان کا پیدا کرنے والا، ان کا نُور اور ان کو قائم رکھنے والا خدا تعالیٰ ہے اور اس نُور کا صحیح ادراک پیدا کروانے کے لئے خدا تعالیٰ اپنے انبیاء اور فرستادوں کو بھیجتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے نُور پاتے ہیں جو آسمان سے ان پر اترتا ہے اور وہ دنیا میں پھر اسے پھیلاتے ہیں۔ وہ نُور جو آسمان سے اتر کر زمین پر انبیاء کے ذریعہ سے پھیلتا ہے اس کی مثال اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ کچھ عرصہ پہلے آنحضرت ﷺ کے حوالے سے کہ یہ نور آپؐ کی ذات میں کس طرح چمکا؟ مَیں بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ اعلیٰ ترین معیار تھا اور قیامت تک رہے گا جو اللہ تعالیٰ کے نُور کا پرتو بن کر دنیا میں قائم ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس نُور کو زمین میں پھیلا دیا اور پھر یہی نہیں کہ اپنی زندگی میں پھیلایا بلکہ یہ سلسلہ جاری ہے اور یہ نُور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات سے جو اس کی مثال ہے وہ مَیں مختصراً دوبارہ بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ:

اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

کہ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے، پھر فرمایا کہ انسانوں کے سمجھنے کے لئے اس کی مثال بیان کی جاتی ہے اور مثال یہ ہے۔ اس کی مثال ایک مشکوٰۃ کی طرح ہے، ایک طاق کی طرح ہے، ایک ایسی اونچی جگہ کی طرح ہے جس میں روشنی رکھی جاتی ہے اور یہ طاق آنحضرت ﷺ کا سینہ ہے اور اس طاق میں ایک مصباح ہے، ایک لیمپ ہے اور یہ لیمپ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ پر اتری اور یہ لیمپ ایک زجاجہ میں ہے یعنی شیشہ کے گلوب میں ہے اور یہ گلوب آنحضرت ﷺ کا دل ہے جو نہایت صاف اور تمام کثافتوں سے پاک ہے اور یہ زجاجہ یا گلوب ستارے کی طرح چمکدار ہے اور خوب روشنی بکھیرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کا دل ہے جس کے اندر کی روشنی بھی بیرونی قالب پر پانی کی طرح بہتی نظر آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مثال میں آگے بیان فرماتا ہے کہ یہ چراغ یا لیمپ زیتون کے شجرۂ مبارکہ سے روشن ہے اور اس شجرۂ مبارکہ سے مراد (یہاں آنحضرت ﷺ کی مثال ہم سامنے رکھیں تو) آنحضرت ﷺ کا وجود ہے جو تمام کمالات اور برکات کا مجموعہ ہے جو تا قیامت قائم رہے گا۔ اس لئے قائم رہے گا کہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں جو انسان کامل کہلائے اور قیامت تک آپ ﷺ جیسا کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس مثال میں شرقی یا غربی نہ ہونے سے مراد اسلام کی تعلیم ہے۔ جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے۔ نہ ایک طرف جھکاؤ ہے۔ نہ سوشلزم یا کمیونزم ہے نہ کیپٹلزم ہے۔ بلکہ ایک درمیانی تعلیم ہے جو انسانی حقوق کو واضح کرتی ہے۔ دنیا کے امن کو قائم کرتی ہے اور اس مثال میں جو یہ فرمایا کہ قریب ہے وہ تیل از خود روشن ہو جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اس سے مراد عقل لطیف نورانی محمد ﷺ ہے اور اسی طرح تمام اخلاق فاضلہ ہیں جو آپ کی فطرت کا حصہ بن چکے ہیں۔ اور نُـوْرٌ عَـلٰـی نُـوْر سے مراد یہ ہے کہ ان تمام خصوصیات کے حامل انسانِ کامل پر جب خدا تعالیٰ نے اپنا نور ڈالا یعنی وُ رِوحی تو روحانی دنیا میں وہ نور پیدا ہوا جس کی کوئی مثال نہیں۔ پس یہ ہے خلاصہ اس ساری تفسیر کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے۔ پہلے بھی میں ایک دفعہ تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اب حقیقی نور صرف اور صرف آنحضرت ﷺ پر اتری ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے اُسوہ حسنہ میں ہے۔ اور تمام پرانی شریعتیں اب اس کامل انسان اور جو نُـوْرٌ عَـلٰـی نُوْر ہو چکا ہے کے آنے کے بعد ختم ہو چکی ہیں اور اب یہی تعلیم ہے اور یہی نُور ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے فیضیاب کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت ﷺ کے اس مقام کو جو انسان کامل ہونے کا مقام ہے ایک جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: ’’ وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو۔ وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء، سید الاحیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ سو وہ نور اُس انسان کو دیا گیا۔ اور حسبِ مراتب اس کے تمام ہمرنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں۔ اور امانت سے مراد انسانِ کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی و جسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر انسانِ کامل برطبق آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا

(النساء آیت :59)

اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔۔۔ اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید، ہمارے مولیٰ، ہمارے ہادی، نبی اُمّی، صادق و مصدوق محمد مصطفیٰ ﷺ میں پائی جاتی تھی‘‘۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 160-162)

پس یہ مقام آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے ملا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں یہ نور منتقل کر کے ان کو بھی اعلیٰ اخلاق پر قائم فرمایا۔ آپ نے اپنے صحابہ کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے کہ جن کے بھی پیچھے چلو گے تمہیں روشنی ملے گی۔ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ملتا ہے۔ عرب کے اَن پڑھ کہلانے والے جو لوگ تھے اس نُور کی وجہ سے جو انہیں آنحضرت ﷺ سے ملا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اعلیٰ اخلاق دکھانے کا ایک نمونہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے اس طرح حصہ پایا کہ اللہ تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کا تمغہ ان کے سینے پر سجا دیا جو بعد میں آنے والوں کو بھی روشنی کی راہیں دکھانے کا باعث ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان صحابہؓ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ’’ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نُور آپ ﷺ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ کے قلب پر گرتا اور ماسوا اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کی بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔۔۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اَللّٰـــہ اَللّٰـــہ فِـی اَصْـحَـابِـیْ'۔ میرے صحابہ کے دلوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو نُـوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض ہے، اس نے اپنے نور کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بعد بند نہیں کر دیا۔ بلکہ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ نور جو آپ نے خدا تعالیٰ سے لیا ہمیشہ کے لئے جاری فیض کا ایک چشمہ ہے اور اسلامی شریعت ہی ہے جو تا قیامت جاری رہنے والی شریعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے محبت اور عشق میں ڈوبنے کی وجہ سے اس زمانہ میں اس نُور کے ساتھ جو آسمان سے اترنے والی روحانیت کا نُور ہے۔ اس کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تا خدا تعالیٰ کے نور کا فہم و ادراک ہمارے

دلوں میں بھی قائم ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''مَیں کچھ (اپنے بارے میں) بیان نہیں کرسکتا کہ کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔۔۔''

پھر آپ فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مَیں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں۔ سو مَیں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔۔۔''

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 195 تا 197)

جب یہ خواب دیکھی تو پھر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ روزے رکھے جائیں۔ لیکن آپ نے کہا کہ یہ مخفی طور پر رکھے جائیں کسی کو پتہ نہ لگے اور اس کے لئے پھر آپ اپنے گھر کے باہر جو کمرہ تھا، مردانہ جگہ تھی، اس میں منتقل ہو گئے اور وہیں کھانا وغیرہ بھی منگواتے تھے اور کھانا جو آتا تھا اس کا اکثر حصہ یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود معمولی سی، تھوڑی سی غذا پر روٹی کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اور ان روزوں کے دوران جن تجربات سے آپ گزرے ہیں اس کا بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

''اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اُس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گزشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس اُمّت میں گزر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔۔۔اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندے کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نُور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نُور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی''۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 198-199)

اور یہ سب مقام اور اللہ تعالیٰ کا آپ پرنُور کا اتارنا یا اللہ تعالیٰ کا نُور اترنا آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت کی وجہ سے تھا۔

چنانچہ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ الہام جس کے معنی یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں'' (یعنی جو آسمانی فرشتے ہیں وہ آپس میں بحث کر رہے ہیں، جھگڑ رہے ہیں)۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''یعنی ارادۂ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص مُحْیِی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔ اسی اثناء میں (خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحْیِی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارے سے اس نے کہا

هٰذَا رَجُلٌ يُّحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبتِ رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے''۔ یعنی اس میں ثابت ہے۔

(تذکرہ صفحہ 34. براھین احمدیہ حصہ چھارم حاشیہ در حاشیہ نمبر 3 صفحہ 502-503. روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598)

پس اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنا نُور آپ پر اتار کر آپ کو اس زمانے میں اس نُور کو پھیلانے کے لئے کھڑا کر دیا جو آنحضرت ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا اور آپ کا یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے تھا۔ پس اس محبت کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے بھی آپ سے محبت کی اور

آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس نُور کو جو زمین و آسمان پر حاوی ہے، جو روحانی انقلاب لانے کا ذریعہ بنتا ہے، اپنے آقا کی غلامی میں آپ بھی اس نُور کا پرتو بنے۔ وہ وحی جو آنحضرت ﷺ کے پاک سینے پر اتری تھی اس کے علوم ومعارف آپ پر بھی کھولے گئے تا کہ دنیا کو بتا سکیں کہ اس تعلیم کی اصل تفسیر یہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق نے کی ہے۔ آپ کو دنیاوی شہرت کی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نُور کسی پر پڑنے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر خود خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں شہرت دیتا ہے تا کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کے نور کو پھیلانے کا باعث بنے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ:''تُو اس سے نکلا اور اس نے تمام دنیا سے تجھ کو چُنا۔۔۔تُو جہان کا نُور ہے۔۔۔تو خدا کا وقار ہے۔ پس وہ تجھے ترک نہیں کرے گا۔۔۔اے لوگو! تمہارے پاس خدا کا نُور آیا۔ پس تم منکر مت ہو''۔

(تذکرہ صفحہ 258)

پس یہ نور آپ پر اللہ تعالیٰ نے خود اتارا اور آپ کی پاک فطرت کی وجہ سے آپ کا خدا تعالیٰ سے جو ایک تعلق قائم ہوا اور پھر آنحضرت ﷺ سے محبت کی وجہ سے اور آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی کی وجہ سے وہ نُور جو صحابہ کے ظاہری قالب پر پانی کی طرح بہا۔1400 سال بعد بھی اس نے نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نُور سے بھر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وہ نُور آگے پھیلانے کا مقام بھی عطا فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ (یعنی اللہ تعالیٰ میرے پر خوش ہے) مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی (کہ مَیں مسیح موعود کہلاؤں یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں)۔ مَیں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشہ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا''۔

(حقیقۃ الوحی - روحانی خزائن جلد 22صفحہ 153)

پس خدا تعالیٰ کا یہ طریق ہے کہ جب کسی کو اپنے نور سے سجاتا ہے تو تمام دنیا میں اس کا اظہار بھی کروا دیتا ہے۔ ایک انسان کی بنائی ہوئی عام روشنی بھی جہاں روشنی ہو وہاں اپنا نشان ظاہر کر رہی ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کے نُور کو کس طرح چھپایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نُور جب اپنے بندے کو دیتا ہے اور جب یہ اعلان فرما دیتا ہے کہ اس کا نُور یعنی اللہ تعالیٰ کا نُور تمام زمین و آسمان پر حاوی ہے تو اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جو روحانی نُور اللہ تعالیٰ کے خاص فیض سے اس کے خاص بندوں پر آسمان سے اترا ہے اب اس کے فیض عام کا بھی سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں سے جڑ جاؤ تو یہ نُور پھر تمہارے دلوں کو بھی روشن کر دے گا۔ چاہے چھوٹے چھوٹے طاق بنیں۔ چاہے چھوٹے چھوٹے گلوب ہوں۔ چاہے اس کی روشنی کو پھیلانے کی ایک عام مومن کی استعدادوں کے مطابق کوئی حد مقرر ہو لیکن جو جڑیں گے وہ پھر اس نُور سے حصہ پاتے ہوئے آگے بھی نُور کو پھیلانے والے بنتے جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نُور جب کسی انسان تک پہنچتا ہے، کسی مومن تک پہنچتا ہے اگر اس نے حقیقی نور حاصل کیا ہے تو وہ اس تک پہنچ کر اسے فیضیاب کرتے ہوئے دوسروں کو فیض پہنچانے کا باعث ضرور بنتا ہے۔ پس اس کے حاصل کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کے محبوب ترین کا اسوہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ عبادات میں، اخلاق میں، عادات میں جب اس شوق سے اس اسوہ کو اختیار کرنے کی کوشش اور سوچ ہوگی اور آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوگی تو اس کا اعلان خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم میں یوں کروایا ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران:32)

کہ کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔

اللہ تعالیٰ بھی پھر تم سے محبت کرے گا۔ پس یہ محبت تھی جو صحابہ نے آپ سے کی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو گئے اور یہی محبت ہے جو اس زمانے میں حقیقی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت ﷺ سے کی ہے۔ تو آپ خدا تعالیٰ کے محبوب بن کر اس زمانہ میں نُور پھیلانے کا اعزاز پانے والے بن گئے۔

پس آج اگر کسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کا دعویٰ ہے تو

مسیح موعودؑ سے تعلق جوڑنا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی خداتعالیٰ کے حکموں میں سے ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کے حکموں میں سے ہے۔ آج جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس سلسلہ تعلق کی وجہ سے خلافت سے بھی جڑی ہوئی ہے اور اس نُور سے بھی فیض پا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ روحانی نُور کی صورت میں انبیاء کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے اور جس کا عظیم ترین معیار اور مقام جیسا کہ مَیں نے کہا آنحضرت ﷺ کی ذات ہے اور جس کا احیاء اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق کے ذریعہ سے فرمایا ہے۔ پس اب جہاں روحانی ترقیات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جڑنے سے وابستہ ہیں وہاں دنیاوی امن کا قیام بھی مسیح موعود سے ہی وابستہ ہے کیونکہ آپ نے ہی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو پورا فرمایا کہ دنیا کو پیار محبت اور صلح کی طرف بلاتے ہوئے، اسے قائم کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اور خداتعالیٰ کے حقوق قائم کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے نور سے منور کریں اور دنیا کے امن کا ذریعہ بن جائیں۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد تھا کہ یَضَعُ الْحَرْب، جب مسیح آئے گا تو جنگوں کا خاتمہ ہوگا اور اسی یَضَعُ الْحَرْب کی وجہ سے پھر امن اور سلامتی کے پیغام بھی پھیلیں گے اور آپ کی تعلیم کی روشنی میں ہی، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں ہی دائمی سلسلہ خلافت نے اس کو پھر آگے بڑھاتے چلے جانا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تفسیر میں نُور کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے اس نکتہ کو بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نُور کے دنیا میں انتشار کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ نمبر ایک الوہیت، اللہ تعالیٰ کی ذات دوسرے نبوت اور تیسرے خلافت۔ اور جب تک مومن اپنے اندر ایمان اور اعمال صالحہ پر توجہ دیتے رہیں گے اس چیز کو اپنے اندر قائم رکھیں گے اس نُور کا سلسلہ لمبا ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم خداتعالیٰ کے نور سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے چلے جانے والے بنتے چلے جائیں اور کبھی ہم خداتعالیٰ کے نور سے محروم نہ ہوں۔

آج مسلم اُمّہ بھی اگر اس حقیقت کو سمجھ لے، ہمارے جو باقی مسلمان بھائی ہیں اس حقیقت کو سمجھ لیں تو مغرب میں اسلام کے خلاف جو آئے دن ابال اٹھتا ہے اور کوئی نہ کوئی وبال اٹھتا ہی رہتا ہے اس کی بھی غیروں کو کبھی جرأت نہ ہو۔ وحدت میں ہی طاقت ہے اور اس کو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے۔

گزشتہ دنوں سوئٹزر لینڈ میں میناروں کے خلاف ،مساجد کے میناروں کے خلاف بھی ایک شور اٹھا۔ میناروں سے انہیں کیا تکلیف ہے یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ ان کے اپنے چرچوں کے بھی تو مینارے ہیں اور کیا ان میناروں کو گرانے سے اگر کوئی شدت پسند ہیں تو ان کی زندگی بدل جائے گی۔ بہرحال یہ جو شور اٹھا ہے وہ بھی اسی اسلام دشمنی کی ایک کڑی ہے اور اس کے پیچھے بھی ایک گہری سازش نظر آتی ہے۔ یہ ابتدا لگ رہی ہے اور مزید ان کے اور بھی مطالبے ہونے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور ان کے ہر شر سے اسلام کو بھی بچائے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ خداتعالیٰ اسلام کے دشمنوں کی ہر سازش کو ناکام و نامراد کردے۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا مجھ سے کون عہد باندھتا ہے۔ رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام ثوبان نے عرض کیا حضور! میں عہد باندھنے کیلئے تیار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تو عہد کرو کہ تم کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگو گے۔ اس پر ثوبان نے عرض کیا! حضور! اس عہد کا اجر کیا ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ اس پر ثوبان نے حضورؐ کے اس عہد پر عمل کرنے کا اقرار کیا۔

ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ثوبان کو مکہ میں دیکھا کہ سخت بھیڑ کے باوجود سواری کی حالت میں اگر آپ کے ہاتھ سے چابک بھی گر جاتا تو خود اُتر کر زمین پر سے اُٹھاتے اور اگر کوئی شخص خود ہی انہیں چابک پکڑانا چاہتا تو نہ لیتے بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔

(الترغیب و الترهیب صفحه 100/2، حدیقة الصالحین صفحه 615)

سابقین

(ابتدائی تین چار سال میں ایمان لانے والے مسلمان)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت خدیجہؓ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارثہ کے بعد اسلام لانے والوں میں پانچ اشخاص تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے ایمان لائے اور یہ سب کے سب اسلام میں ایسے جلیل القدر اور عالی مرتبہ اصحاب نکلے کہ چوٹی کے صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

اوّل حضرت عثمانؓ بن عفّان جو خاندان بنو امیہ میں سے تھے۔ اسلام لانے کے وقت اُن کی عمر قریباً تیس سال کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے بعد وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نہایت باحیا۔ باوفا۔ نرم دل۔ فیاض اور دولتمند آدمی تھے۔ چنانچہ کئی موقعوں پر انہوں نے اسلام کی بہت مالی خدمات کیں۔ حضرت عثمانؓ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے انہیں پے در پے اپنی دو لڑکیاں شادی میں دیں جس کی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہتے ہیں۔

دوسرے عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے جو خاندان بنو زہرہ سے تھے جس خاندان سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں۔ نہایت سمجھدار اور بہت سلجھی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا سوال انہی کے ہاتھ سے طے ہوا تھا۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر قریباً تیس سال کی تھی عہدِ عثمانی میں فوت ہوئے۔

تیسرے سعد بن ابی وقاصؓ تھے جو اس وقت بالکل نوجوان تھے یعنی اُس وقت اُن کی عمر انیس سال کی تھی۔ یہ بھی بنو زہرہ میں سے تھے اور نہایت دلیر اور بہادر تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق انہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

چوتھے زبیر بن العوامؓ تھے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے یعنی صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ اور بعد میں حضرت ابوبکرؓ کے داماد ہوئے۔ یہ بنو اسد میں سے تھے اور اسلام لانے کے وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے زبیرؓ کو غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک خاص خدمت سرانجام دینے کی وجہ سے حواری کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ زبیرؓ حضرت علیؓ کے عہدِ حکومت میں جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔

پانچویں طلحہ بن عبیداللہ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے خاندان یعنی قبیلہ بنو تیم میں سے تھے اور اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ طلحہ بھی اسلام کے خاص فدایان میں سے تھے۔ حضرت علیؓ کے عہد میں جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔

یہ پانچوں اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی اُن دس اصحاب میں داخل ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے خاص طور پر جنت کی بشارت دی تھی اور جو آپؐ کے نہایت مقرّب صحابی اور مشیر شمار ہوتے تھے۔

ان لوگوں کے بعد اور لوگ جو شروع شروع میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے وہ بعض تو قریش میں سے تھے اور بعض دوسرے قبائل میں سے تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

ابوعبیدہ بن عبداللہ بن الجراحؓ جن کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام فتح ہوا یہ نہایت نیک اور صوفی مزاج کے آدمی تھے جنہیں آنحضرت ﷺ کی طرف سے امین الملّت کا خطاب عطا ہوا تھا۔ ابوعبیدۃ قریش کے قبیلہ بنو فہر میں سے تھے جنہیں بعض اوقات فہر بن مالک کی طرف منسوب کر کے فہری بھی کہہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی نظر میں ابوعبیدہ کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ اگر

حضرت عمرؓ کی وفات پر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو وہی خلیفہ ہوتے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی ابوعبیدہؓ کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر جن لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کا اہل قرار دیا تھا اُن میں سے ابوعبیدہؓ بھی تھے۔ ابوعبیدہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وبائے طاعون سے شہید ہوئے۔

پھر عبیدہؓ بن الحارث تھے جو بنو مطلب میں سے تھے اور آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

پھر ابوسلمہؓ بن عبدالاسد تھے جو آنحضرت ﷺ کے رضائی بھائی تھے اور بنومخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی وفات پر اُن کی بیوہ اُمِ سلمہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شادی ہوئی۔

ابوحذیفہؓ بن عتبہ تھے جو بنوامیہ میں سے تھے۔ ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ سردارانِ قریش میں سے تھا۔ ابوحذیفہؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہء خلافت میں مسیلمہ کذّاب کے ساتھ ہوئی تھی۔

سعد بن زیدؓ تھے جو بنوعدی میں سے تھے اور حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔ یہ زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے تھے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی شرک ترک کر رکھا تھا۔

سعیدؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

عثمان بن مظعونؓ تھے جو بنوجمح میں سے تھے۔ نہایت صوفی مزاج آدمی تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی شراب ترک کر رکھی تھی اور اسلام میں بھی تارک دنیا ہونا چاہتے تھے مگر آنحضرت ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے کہ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے اس کی اجازت نہیں دی۔

ارقم بن ابی ارقمؓ جن کے مکان کو جو کوہِ صفا کے دامن میں تھا آنحضرت ﷺ نے بعد میں اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ ارقمؓ بنومخزوم میں سے تھے۔

پھر عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش تھے۔ یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے مگر قبیلہ قریش سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

زینبؓ بنت جحش جو بعد میں آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں ان ہی کی بہن تھیں۔ عبیداللہ بن جحش ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی ترک کر رکھی تھی۔ اسلام آیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ لیکن جب وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا تو کسی وجہ سے وہاں اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی ہو گیا۔ اس کی بیوہ اُمِ حبیبہؓ جو قریش کے مشہور رئیس ابوسفیان کی لڑکی تھی بعد میں آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئی۔

ان لوگوں کے علاوہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے جو غیر قریشی تھے اور قبیلہ ھذیل سے تعلق رکھتے تھے۔ عبداللہ ایک بہت غریب آدمی تھے اور عقبہ بن ابی معیط رئیس قریش کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ اور آپ کی صحبت سے بالآخر نہایت عالم و فاضل بن گئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہی کے اقوال و اجتہادات پر مبنی ہے۔

پھر بلالؓ بن رباح تھے جو امیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اذان دینے کا کام انہی کے سپرد تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے اذان کہنا چھوڑ دیا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ کے زمانہء خلافت میں شام فتح ہوا تو ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے اصرار پر انہوں نے اذان کہی جس پر سب کو آنحضرت ﷺ کا زمانہ یاد آ گیا۔ چنانچہ وہ خود اور حضرت عمرؓ اور دوسرے اصحاب جو اس وقت موجود تھے اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ حضرت عمرؓ کو بلالؓ سے اتنی محبت تھی کہ جب وہ فوت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ''آج مسلمانوں کا سردار گزر گیا۔'' یہ ایک غریب حبشی غلام کے متعلق بادشاہ کا قول تھا۔

پھر عامر بن فہیرہ تھے جن کو حضرت ابوبکرؓ نے غلامی سے آزاد کر کے خود اپنے پاس نوکر رکھ لیا تھا۔

پھر خبابؓ بن الارت تھے جو ایک آزاد شدہ غلام تھے اور اُن دنوں مکہ میں لوہار کا کام کیا کرتے تھے۔

پھر ابوذرؓ تھے جو قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کا دعویٰ سنا تو تحقیقات کیلئے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا۔ چنانچہ وہ مکہ آیا اور واپس جا کر ابوذرؓ کو حالات سے اطلاع دی۔ مگر اس سے ابوذرؓ کی تسلی نہیں ہوئی اس لئے اس کے بعد وہ خود مکہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے مل کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ بخاری میں مفصل درج ہے اور بہت دلچسپ ہے۔ ابوذرؓ نہایت زاہد اور صوفی مزاج آدمی تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ کسی صورت میں بھی مال جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس بناء پر بعض اوقات بعض دوسرے صحابہ سے ان کا جھگڑا ہو جاتا تھا۔

یہ وہ چند لوگ ہیں جو ابتدائی تین چار سال میں اسلام لائے۔ ان میں سے شادی شدہ لوگوں کے بیوی بچے بھی عموماً ان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں مسلمان

ہونے والی عورتوں میں مؤرخین نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسماء بنت ابی بکرؓ اور فاطمہؓ بنت خطاب زوجہ سعید بن زید کا نام خاص طور پر لیا ہے۔ ان کے علاوہ عورتوں میں عباسؓ بن عبدالمطلب کی بیوی اُمِ فضل بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت تک عباسؓ خود اسلام نہیں لائے تھے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کی تین چار سالہ تبلیغی جدو جہد کا نتیجہ یہی چند گنتی کی جانیں تھیں مگر ان سابقین الاولین میں سے سوائے حضرت ابوبکرؓ کے ایک بھی ایسا نہ تھا جو قریش میں کوئی خاص اثر یا وجاہت رکھتا ہو۔ بعض غلام تھے اور اکثر لوگ غریب اور کمزور تھے۔ بعض البتہ قریش کے اعلیٰ گھرانوں سے بھی تعلق رکھتے تھے مگر ان میں سے بھی زیادہ تر نوجوان تھے۔ بلکہ بعض کو تو گویا بچے ہی کہنا چاہیئے اس لئے وہ ابھی اس حالت کو نہ پہنچے تھے کہ اپنے قبیلے میں کوئی اثر پیدا کرسکیں۔ اور جو معمر تھے وہ غربت یا کسی اور وجہ سے کوئی اثر نہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے قریش میں یہ عام خیال تھا کہ محمد (ﷺ) کو صرف چھوٹے اور کمزور لوگوں نے مانا ہے چنانچہ جب کئی سال بعد ہرقل شہنشاہ روم نے رئیس مکہ ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا ''محمد (ﷺ) کو بڑے لوگ مانتے ہیں یا کہ کمزور اور چھوٹے لوگ؟'' تو ابوسفیان نے یہی جواب دیا کہ ''کمزور اور چھوٹے لوگ مانتے ہیں۔ جس پر ہرقل نے کہا اور خوب کہا کہ

''اللہ کے رسولوں کو (شروع شروع میں) چھوٹے لوگ ہی مانا کرتے ہیں۔''

(بخاری باب بدء الوحی)

نعت خیر البشر

منظوم کلام حضرت سیّدہ نواب مُبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

السلام! اے ہادیٔ راہِ ہدیٰ جانِ جہاں
والصلوٰۃ اے خیرِ مطلق اے شہِ کون و مکاں

تیرے ملنے سے ملا ہم کو وہ ''مقصودِحیات''
تجھ کو پا کر ہم نے پایا ''کام دل'' آرامِ جاں

آپ چل کر تُو نے دکھلادی رہِ وصلِ حبیب
تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یارِ بے نشاں

ہے کشادہ آپ کا بابِ سخا سب کے لئے
زیرِاحساں کیوں نہ ہوں پھر مرد و زَن پیر و جواں

تشنہ روحیں ہوگئیں سیراب تیرے فیض سے
علم و عرفانِ خداوندی کے بحرِ بیکراں

ایک ہی زینہ ہے اب بامِ مرادِ وصل کا
بے ملے تیرے ملے ممکن نہیں وہ دل ستاں

تو وہ آئینہ ہے جس نے منہ دکھایا یار کا
جسمِ خاکی کو عطا کی رُوح اَے جانِ جہاں

تا قیامت جو رہے تازہ تری تعلیم ہے
تو ہے روحانی مریضوں کا طبیبِ جاوداں

ہے یہی ماہِ مبیں جس پر زوال آتا نہیں
ہے یہی گلشن جسے چھوتی نہیں بادِخزاں

''کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں''
خوب فرمایا یہ نکتہ مہدیٔ آخر زماں

یہ دعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگِ آستاں

سلام بحضور سیّد الانام صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ

بہ درگاہِ ذی شان خیرالانام شفیعِ الوریٰ ' مرجعِ خاص و عام
بصد عجز و مِنّت بصد احترام یہ کرتا ہے عرض آپؐ کا اِک غلام
کہ اَے شاہِ کونین عالی مَقام عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

حسینانِ عالَم ہوئے شرمگیں جو دیکھا وہ حسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اَخلاق اَکمل تریں کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلقِ کامل زہے حُسنِ تام عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیرلی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوُا آپ کے دَم سے اس کا قیام عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

محبت سے گھائل کیا آپؐ نے دلائل سے قائل کیا آپؐ نے
جہالت کو زائل کیا آپؐ نے شریعت کو کامل کیا آپؐ نے
بیاں کردیئے سب حلال و حرام عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

نبوت کے تھے جس قدر بھی کمال وہ سب جمع ہیں آپؐ میں لامحال
صفاتِ جَمال اور صفاتِ جَلال ہر اِک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظلم کا عفو سے انتقام عَـلَـیْکَ الـصَّـلٰوۃُ عَـلَـیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

مقدس حیات اور مُطَہَّر مذاق اِطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہانگیر یکراں بُراق کہ بگزشت از قصرِ نیلی رَواق
محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام عَـلَـیْکَ الـصَّـلٰوۃُ عَـلَـیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

علمدارِ عُشّاقِ ذاتِ یگاں سپہ دارِ افواجِ قُدُّوسیاں
معارف کا اِک قُلزُمِ بیکراں افاضات میں زندہٴ جاوداں
پِلا ساقیا آبِ کوثر کا جام عَـلَـیْکَ الـصَّـلٰوۃُ عَـلَـیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام عَـلَـیْکَ الـصَّـلٰوۃُ عَـلَـیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے میں نے کہا مجھے قرآن کریم کی ایک سخت ترین آیت کا علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ وہ کونسی آیت ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ ہے کہ جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا اَے عائشہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مسلمان کو کوئی تکلیف یا مصیبت خواہ کانٹا لگنے سے ہی کیوں نہ ہو وہ برے عمل کی مکافات ہے اور جس کا حساب لیا گیا وہ تو عذاب میں مبتلا ہوا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا کہ تم سے آسان آسان حساب لیا جائے گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اَے عائشہؓ! یہ تو صرف خدا کے سامنے حساب کا پیش ہونا ہے۔ ورنہ جس کا باضابطہ حساب لیا گیا وہ تو مرا۔

(ابو داؤد کتاب الجنائز باب عيادة النساء)

حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کا انکسار اور تواضع

لطف الرحمٰن محمود

چشمِ تصوّر میں عرش وفرش کے اِتّصال کا منظر

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی عبودیت' انکسار اور تواضع پسند ہے۔ اس کے نبی اور رسول اسی حسن سے مزیّن ہوکر مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ' تمام انبیاء اور مرسلین سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو عظیم الشان خطابات سے نوازا ہے:

خاتم النبیین (سورۃ الاحزاب آیت 31)' رحمۃ اللعالمین (سورۃ الانبیاء آیت 108)' اُسوۂ حسنہ (سورۃ الاحزاب آیت 21)' خُلقِ عظیم کا مُجسّمہ (سورۃ القلم آیت 69)' تمام انسانیت کیلئے تا قیامِ قیامت رسول (سورۃ الاعراف آیت 8)' تمام عالمین کیلئے نذیر (سورۃ الفرقان آیت 25)' صاحبِ اسراء و معراج (سورۃ بنی اسرائیل آیت 2' سورۃ النجم آیات 8 تا 18) حضرت نبی کریم ﷺ کی عظمت وشوکت کے اور بھی کئی حوالے ہیں۔ مختصر مضمون میں اشارات ہی کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کیلئے ہزاروں نبی اور رسول مبعوث فرمائے مگر فیضان رسالت کا منبع ومہبط اور مرکز ومحور اور اس منصب کی معراج جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ قرآن مجید میں ''رسول'' کا لفظ 236 مرتبہ آیا ہے۔ 167 مرتبہ حضرت نبی کریم ﷺ کیلئے وارد ہوا ہے۔ اسی طرح ''نبی'' کا لفظ قرآن کریم میں 54 بار مذکور ہوا ہے، 36 مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے۔ یہی کیفیت ہمیں ''نذیر'' کے لفظ میں نظر آتی ہے جو کلامِ پاک میں 44 بار آیا ہے اور 28 مرتبہ حضرت نبی اکرم ﷺ کیلئے ہے۔ ان اعداد وشمار کیلئے ملاحظہ فرمایئے سیّد محمد اُسامہ کی کتاب:

The Encyclopaedic Index of the Quran ناشر Good Word Books دہلی۔ انڈیا۔ ایڈیشن 2005 صفحات 552,550

تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک ضمنی بات عرض ہے کہ میں ان اعداد وشمار سے متاثر ہوکر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ اس حالت میں یہ خیال میرے دِل میں ڈالا گیا کہ ان تینوں الفاظ (رسول' نبی اور نذیر) کی Percentage بھی ایک دوسرے کے قریب قریب ہے۔ جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ یہ شرح فیصد 70, 67 اور 64 بنتی ہے۔ یہ کلام الٰہی کے علمی کمالات ہیں اور دراصل رسالتِ محمدیہؐ ہی کا فیضان ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی ارفع شان کا یہ پہلو ضرور ذہن میں رکھیئے گا کہ بیعت رضوان (سورۃ الفتح آیت 11) اور میدانِ بدر میں کنکریاں پھینکنے کے حوالے سے (سورۃ الانفال آیت 18)' حضورؐ کے بابرکت ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دستِ قدرت سے ایک خصوصی نسبت دی ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھیئے۔ ''رؤوف'' اور ''رحیم'' اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی ہیں۔ قرآن مجید میں یہ دونوں پاک نام' ظلّی طور پر ہمارے سیّد و مولیٰ ﷺ کو عطا فرمائے گئے ہیں۔ (سورۃ التوبۃ آیت 128)

اس عظیم مقام ومرتبہ کے باوجود حضرت نبی کریم ﷺ کا انکسار وتواضع الہامی مذاہب کی تاریخ کا عجیب وغریب سیناریو ہے۔ روحانیت کی عرش نشینی ایک طرف اور خاکساری اور فروتنی دوسری طرف، کائنات، روح وجسم کا ایک نادر معجزہ ہے۔ آیۂ قابَ قوسین میں یہی راز پنہاں ہے کہ قوسِ الوہیت کس طرح قوسِ انسانیت سے متصل ہوگئی (سورۃ النجم آیت 10) یہ تحریر حضرت رسالت مآب ﷺ کے انکسار وتواضع کے حوالے سے پیشِ خدمت ہے۔

ستّر بار استغفار

تقویٰ کی حقیقی کیفیت کے زیرِ اثر' ایک عارف باللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا صحیح ادراک وعرفان نصیب ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اطاعت' عبادت' شکر' استغفار' دُعا

اور ایصالِ خیر کے ذریعے قُربِ الٰہی کی شاہراہ پر رواں دواں رہتا ہے۔ ہمیں یہی کیفیت اپنی انتہا کے ساتھ حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں نظر آتی ہے۔ راویانِ حدیث اور سیرت نگاروں نے 70 مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ استغفار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (بخاری کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ)۔ اسی طرح بعض راوی نمازِ تہجد میں کھڑے رہنے سے حضور ﷺ کے پاؤں سُوج جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسی ہی حالت دیکھ کر ایک مرتبہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ اللہ جلّشانہٗ نے آپ کو عفو کی چادر سے ڈھانپنے کا وعدہ دے رکھا ہے پھر اتنی مشقت کیوں؟ حضرت رسول کریم ﷺ نے جو جواب عطا فرمایا، اُس سے بھی اسی انکسار کی عکاسی ہوتی ہے۔ ''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' (بخاری کتاب التفسیر)

حضور ﷺ نے اپنے اہلِ بیت، اعزہ و اقارب اور صحابہ کرام کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا۔ حضورؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور پھوپھی حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب کو نصیحت اور وصیت کے رنگ میں یاد دِلایا کہ نجاتِ اُخروی کیلئے حضورؐ سے جسمانی نسبت کام نہ آئے گی۔ اگرچہ نجات فضلِ الٰہی پر منحصر ہے مگر اپنی طرف سے توشۂ آخرت کی تیاری لازم ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

ایک مرتبہ، ایک سادہ لوح بدوی صحابی نے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ حضور ﷺ نے ایک فکر انگیز سوال کی شکل میں جواب مرحمت فرمایا۔ ''میاں تم نے یومِ آخرت کیلئے کیا تیاری کی ہے؟'' دراصل یہ سب انکسار کی ادائیں ہیں۔

قصرِ شاہی کی بجائے درویشانہ حجرات

قرآن مجید میں، داؤدؑ وسلیمانؑ، دونبیوں کا ذکر موجود ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ قرآن کریم، بائبل، اور تاریخ میں اُن کے محلّاتِ شاہی، افواج، خزائن اور شان وشوکت کے دیگر مظاہر کا ذکر موجود ہے مگر حضرت رسول اکرم ﷺ ایک مختلف قسم کے حکمران نظر آتے ہیں ایک یتیم کے طور پر زندگی کا آغاز ہوا۔ مکّی زندگی کے 13 سالہ صبر آزما دور کے بعد، آخر کار مدینہ میں اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آئی۔ اور چند سال کے اندر اندر سارا عرب زیرِ نگیں ہو گیا اور حضور ﷺ ایک وسیع وعریض ملک اور اردگرد کی ریاستوں اور علاقوں کے حکمران قرار پائے۔ اس حوالے سے خطّے کا جغرافیہ، تاریخ، مذہب اور سیاست، آئینِ حقوق اور قوانینِ وراثت، غرض بہت کچھ بدل گیا مگر حضورؐ کی زندگی کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ مسجد نبوی سے متصل کچے حجروں پر مشتمل عمارت ہی آپ کی قیام گاہ رہی۔ اگر چاہتے تو قلعے اور محلّات تعمیر کروا سکتے تھے اور آرام اور آسائش کیلئے ہر قسم کے سامان اور سہولتیں مہیّا کی جاسکتی تھیں۔ مگر بادشاہت کے باوجود آپ کی سادہ زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا۔ کے منظر کے بعد، جب خراج اور ٹیکس کی رقوم اور ساز وسامان مرکزِ اسلام میں بکثرت آنے لگے تو مسلمانوں کی مالی حالت نسبتاً بہتر ہو گئی۔ اُمّہات المومنین نے بھی جو عرب کے خوشحال اور متموّل گھرانوں سے آنے والی خواتین تھیں، اپنے گزارے میں اضافہ کا مطالبہ کیا، مگر حضور ﷺ انہیں بھی اپنی طرح اُمّت اور آنے والی نسلوں کیلئے سادہ زندگی اور ایثار کا نمونہ بنانا چاہتے تھے۔ واقعہ تحریم اور توسیع نفقہ کے اس مطالبہ کے بعد حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ کیلئے علیحدگی اختیار فرمائی۔ حضرت عمرؓ کو اُن ایام میں حضورؐ کے حجرے میں بغرضِ ملاقات حاضر ہونے کا موقع ملا۔ علامہ شبلی رسیّد سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' میں حضرت عمرؓ کی زبان سے اس شاہِ عرب کے ''قصرِ سلطانی کے گنبد'' کی خاکہ کشی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کُھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مُٹھی بھر جَو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی کہ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر وکسریٰ باغ وبہار کے مزے لُوٹ رہے ہیں اور پیغمبر ہو کر، آپ کی یہ حالت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر وکسریٰ دُنیا لیں اور ہم آخرت۔''

(سیرت النبیؐ جلد اوّل۔ صفحہ 231، الفیصل ناشران، لاہور، ایڈیشن 1991)

یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے ڈیڑھ دو سال بعد حضور ﷺ وفات پا گئے۔ یاد رہے کہ یہ سلیمان وقتؑ کے عروج و اقبال کی معراج کا زمانہ ہے۔ صحابہ کرام کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وضو کے پانی کے قطرے بھی زمین پر گرنے کی بجائے اپنے چہروں پر ملنا پسند کرتے ہیں۔ اگر سر یا ریشِ مبارک کے بال تراشے جائیں تو انہیں بطور تبرک اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ اگر اشارہ بھی ہوتا تو حضور ﷺ کیلئے محل یا بارگاہ تیار اور آراستہ کی جاسکتی تھی مگر حضورؐ نے حیاتِ طیبہ کے باقی دن بھی اسی سادگی اور خاکساری میں بسر کر دیئے۔ حضورؐ آج بھی، اپنے دو رفقاء کے ساتھ، حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آرام فرما ہیں اور وہ مقام ملائک وانس کے درود وسلام کی مبارک منزل ہے۔ باقی حجرات کو ولید بن عبدالملک نے توسیع کیلئے مسجد نبوی میں شامل کر دیا اور اُن حجروں کی مقدس زمین اہلِ ایمان کے عاجزانہ سجدوں کے دوران محبت اور عقیدت کے آنسوؤں سے تر رہتی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے شہنشاہوں کے بنائے ہوئے بعض قلعے، محلات، مقابر اور دوسری عمارات سطحِ ارض پر موجود ہیں۔ کوئی ایک مثال دے دیجئے جہاں پلکیں بچھانے کو جی چاہتا ہے!

غریبوں اور مسکینوں پر نظرِ کرم

انسانی معاشرے میں امراء اور متمول لوگوں کے ساتھ ساتھ غرباء اور مساکین بھی موجود رہے ہیں۔ مالک و آجر کے زیرِ سایہ، مزدور اور خدمت گزار بھی حالات کی سختی اور ترشی سہتے رہے ہیں۔ تاریخ کی سِلوں پر یہ منظر کندہ ہے کہ امیر و غریب اور شاہ و گدا میں ہمیشہ ظاہری، ذہنی اور قلبی فاصلے حائل رہے ہیں۔ البتہ رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں، حضورؐ کے انکسار اور تواضع کی بدولت یہ فاصلے کالعدم ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک عظیم اور بے مثال سماجی اور معاشرتی انقلاب ہے، جس کی آج بھی انسانی معاشرے کو اُتنی ہی ضرورت ہے۔ واقعات تو بہت ہیں مگر بطور مثال صرف دو تاثرات پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

ایک غریب حبشیہ عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیتی اور اس سادہ سی عبادت گاہ کی تزئین و نظافت کا خیال رکھتی تھی۔ حضور ﷺ کو وہ خادمہ مسجد دو چار دن نظر نہ آئی تو صحابہؓ سے اُس کی خیریت معلوم کی۔ عرض کیا گیا کہ وہ عورت فوت ہوگئی اور ہم نے اُس کی نمازِ جنازہ کیلئے حضورؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اور اس کی تدفین کر دی گئی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے جلو میں اس گمنام، غریب جھاڑو دینے والی عاجز عورت کی قبر پر تشریف لے گئے اور اُس کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کیلئے دعا کی۔ یہ خدمت کا استحسان بھی ہے، انکسار کا اظہار بھی ہے اور غریب و مسکین سے پیار بھی!

(مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی القبر)

زاہرؓ نام کا ایک سیاہ فام، غریب شخص مدینہ کے مضافات میں رہتا تھا۔ روایتی حسن و جمال سے کوسوں دُور، وضع قطع بھی ایسی ویسی، ایک لحہ کیلئے یہ منظر ذہن میں لائیے۔ زاہرؓ مدینہ کی مارکیٹ میں اپنی چیزیں بیچنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ پسینے سے شرابور، گرد و غبار سے اَٹا ہوا، حضورؐ پیچھے سے آتے ہیں اور اُس کی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ دیتے ہیں اور ازراہِ تفنّن فرماتے ہیں "کون ہے جو میرے غلام کو خریدنے پر آمادہ ہو؟" زاہر نے حضورؐ کے ہاتھوں کی نرمی، اور جسم سے آنے والی مسحور کُن خوشبو سے اندازہ لگایا کہ کس محبوب ہستی نے بانہوں میں لے رکھا ہے۔ موقع کو غنیمت جان کر اپنے غبار آلود جُثّے کو حضورؐ کے جسمِ اطہر سے اچھی طرح مَس کیا اور پھر ازراہِ انکسار عرض کیا۔ حضورؐ یہ سودا نہ کیجئے۔ اس کم ترین کو کون خریدے گا! حضورؐ نے اُسے اپنے قول و فعل سے تسلی دی کہ خالقِ کائنات کی نگاہ میں اُس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ۔ جلد سوم ۔ بحوالہ اسوۂ انسانِ کامل صفحہ 204)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر خُلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ نے بھی محبت و انکسار کی ایسی ہی شمعیں روشن کیں۔ امیر المومنین عمرؓ جو وسیع اسلامی سلطنت کے سربراہ تھے، ایک سابق سیاہ فام حبشی غلام کو "سیّدنا بلالؓ" کہہ کر مخاطب کرتے۔ حضرت عمرؓ ہی کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے۔ رات کے وقت معمول کے گشت کے دوران مدینہ کے باہر سڑک کے کنارے ایک مسافر خاندان کو خیمہ زن دیکھا۔ مسافر کی بیوی دردِ زہ کی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ گھر واپس آ کر اہلیہ اُمِّ کلثوم کو ساتھ

لے کر گئے۔ بی بی نے ولادت کے مراحل میں مدد کی۔ اور فراغت کے بعد، خیمے سے آواز دی۔ ''امیرالمومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے صحت مند بچے سے نوازا ہے'' یہ سن کر بدُّو چونک اُٹھا کہ مسلمانوں کا بادشاہ اور خاتونِ اوّل اُس کی خدمت کیلئے حاضر ہوئے ہیں!

(الفاروق، علامہ شبلی نعمانی، ناشر 'ادارۂ اسلامیات لاہور۔ ایڈیشن 2004 صفحہ 288)

فتح مکّہ کے موقع پر انکسار

فتح مکہ، تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے جس نے جزیرہ نمائے عرب اور شرقِ اوسط کی تاریخ بدل دی بلکہ تاریخ عالم کو بھی متاثر کیا۔ 6 ہجری میں مکہ سے جانبِ مغرب، چند میل کے فاصلے پر حدیبیہ کے مقام پر، حضور ﷺ اور ساتھ آنے والے 1400 صحابہؓ کو اہلِ مکّہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اسی مقام پر بیعتِ رضوان کا واقعہ پیش آیا۔ اس موقع پر، سخت شرائط کے ساتھ، مسلمانوں سے ایک معاہدہ دس سال کی مدّت کیلئے تحریر کیا گیا۔ حضرت علیؓ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ سردارانِ مکّہ کے سفیر، سہیل بن عمرو نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کیا۔ پھر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مٹانے پر آمادہ نہیں تھے۔ نشان دہی پر حضورؐ نے خود یہ الفاظ مٹا دیئے اور محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ شبلی، سیّد سلیمان ندوی، ناشر الفیصل 'لاہور ایڈیشن 1991 صفحہ 272)

اس واقعہ سے حضورؐ کی سیرت طیبہ کے دونوں پہلو اجاگر ہوتے ہیں کہ سخت شرائط کے باوجود، نبی رحمت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی قیام امن کیلئے آرزو اور پھر اس مقصد کے حصول کیلئے حضورؐ کی کسی بھی حد تک ایثار پر آمادگی اور دوسرا پہلو حضورؐ کا انکسار و تواضع ہے۔ اس معاہدہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں (جو صلح حدیبیہ سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی) ''فتح مُبین'' قرار دیا۔ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور قرآن مجید کے علاوہ تورات کی بھی ایک اہم پیش گوئی پوری ہوئی۔ جو استثناء کے باب 33 کی دوسری آیت میں موجود ہے۔ جس میں حضورؐ کے کوہِ فاران سے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اب نئے تراجم میں ''دس ہزار'' کی جگہ ''لاکھوں'' کا لفظ لکھ کر حق کو مشتبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اُردو، عربی، فارسی اور دوسری زبانوں کے پرانے نسخوں میں ''دس ہزار'' ہی کے الفاظ موجود ہیں۔

رمضان 8 ہجری میں حضور ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ کسی اصیل گھوڑے کی بجائے ایک اونٹ پر سوار تھے اور سر حالتِ سجدہ میں جھکا ہوا تھا۔
(حیاتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم 'محمد حسین ہیکل' ترجمہ ابو یحییٰ 'خان' ناشر اسلامک بک' سنٹر دھلی 'ایڈیشن 1988) تاریخ نے فاتحین کے مفتوحہ شہروں اور علاقوں میں داخل ہونے کے مناظر محفوظ کئے ہیں۔ قیصر و کسریٰ، بخت نصر، فراعینِ مصر، ذونواس، اور بعد میں چنگیز و ہلاکو کی مفتوح لوگوں پر مظالم کی داستانیں تاریخ میں بکھری پڑی ہیں۔ تاریخِ عالم میں کسی اور فاتح کو اپنے خالق و مالک کے حضور حالتِ سجدہ میں مفتوحہ شہر میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ملی! اچھی طرح سے جانچ پڑتال کر لیجئے۔ تاریخ اس انکسار اور تواضع کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک آدھ دن بعد حضور ﷺ نے مکہ کے تمام شہریوں کے لئے عفوِ عام کا اعلان فرمایا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے تقریباً 20 سال تک حضورؐ اور مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

عائلی زندگی میں پیار اور انکسار کا حسین امتزاج

حضرت نبی کریم ﷺ نے ''رہبانیت'' کے برعکس ''نکاح'' کو اپنی سنّت قرار دیا اور ازدواجی زندگی کو صحیح اسلامی خطوط پر اُستوار کیا۔ کامیاب شادی چونکہ حصولِ تقویٰ، تعمیرِ کردار، تکمیلِ اخلاق اور بقائے نسل میں مدومعاون ہے، اسی لئے شیطان لعین پر گراں گزرتی ہے۔ عہدِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں، عورت کے حقوق

نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس دَور میں عورت عملاً ایک محکوم' خادمہ' ملازمہ' جنسی لذّات کا کھلونا اور گھر کے دیگر اسباب و املاک کی طرح ورثہ میں بانٹا جانے والا اثاثہ سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے اس کے حقوق کو قائم اور منضبط کیا اور طبقہ نسواں پر مظالم کے سدِّ باب کی ٹھوس کوشش کی۔ تعدّ داز دواج کی صورت میں' عدل' نان ونفقہ' وقت اور توجہ' قربت میں مساوات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ حضورؐ کے پیار اور انکسار نے اُمہات المومنینؓ کے حجرات کو جنت کی خوشبو اور مہک سے بسا دیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی اپنی ازواج کیلئے دلآزار یا سخت لفظ استعمال نہ کیا۔ خوش دلی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ بکری ذبح کر کے گوشت تیار کرنا۔ دُودھ دوہنا، اور اسی قسم کے دوسرے چھوٹے موٹے کام کرنا، حتّٰی کہ جھاڑو بھی دے دیتے۔ حضورؐ کا ظاہر اور باطن اور گھر اور باہر ایک تھا۔ بعض لوگ گھر سے باہر بڑے خلیق' مہذّب اور خوش مزاج مشہور ہو جاتے ہیں۔ اُن کا .P.R ریکارڈ بہت اچھا ہوتا ہے مگر گھر کے اندر وہ بیوی کے معاملے میں ایک مختلف وجود ہوتے ہیں۔ جبر، قہر، رعونت اور سختی کی مجسّم تصویر ہوتے ہیں۔ حالانکہ اسوۂ نبیؐ اس کے بالکل برعکس ہے۔ حضورؐ نے گھر کے لوگوں سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی ہے اور اپنے اسوہ حسنہ کو اس کی مثال اور معیار کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (ترمذی) یعنی تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے سلوک کرنے میں بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے ساتھ سلوک کرنے میں تم سے بہتر ہوں۔

محاورے اور ضرب الامثال بڑی خطرناک چیزیں ہیں۔ زبان اور معاشرے کے بھانڈے اُن کی بدولت چوراہوں میں پھُوٹتے ہیں۔ پنجابی کو صوفیا اور اولیاء کی زبان قرار دیا جاتا ہے۔ مگر پنجابی کے ایک محاورہ یا مثل نے اس زبان کی ساری طہارت اور پاکیزگی کا ستیاناس کر دیا ہے۔ پنجابی میں بیوی کیلئے ''پیر کی جُوتی'' کی تشبیہہ استعمال کی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے کسی غیر مسلم نے وضع کیا ہوگا کیونکہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے کسی اُمتی سے اس کمینگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس تشبیہہ کا موجد و خالق کوئی ایسا شخص ہوگا جو ''بہن'' اور ''بیٹی'' کے مقدس رشتوں سے محروم ہوگا۔ کیونکہ اگر بیوی اُس کے پاؤں کی جوتی ہے تو اُس کی بہن اور بیٹی بھی تو کسی مرد کے پاؤں کی جوتی ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ اُس کی والدہ محترمہ بھی تو کسی شخص کی بیوی تھیں۔ نبیِ رحمت ﷺ نے ''ماؤں'' کے متعلق فرمایا کہ اُن کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ہمیں یہ شاداب جنّات اُمہات المومنین کے قدموں کے نیچے نظر آتی ہیں۔ یہ حضورؐ کے حسنِ نظر اور احسن تربیت کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک میں نے ریسرچ کی ہے تمام ازواج النبی ﷺ کو انکسار کا بہترین نمونہ پایا۔

جہاں ایک سے زیادہ ازواج ہوں اور ساتھ ساتھ رہتی ہوں، وہاں بشری تقاضوں کے پیشِ نظر معمولی سی رقابت' دراصل محبت کے شفاف منشور (Prism) کے سات رنگوں میں سے ایک رنگ ہی کا نام ہے۔ اُمہات المومنینؓ کی بشریت سے کسی کو انکار نہیں مگر وہ سب کی سب' تقویٰ' طہارت' دینی حمیّت وغیرت' شفقت علیٰ خلق اللہ اور محبت رسولؐ کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں۔ مقالات سیرت اور کُتب احادیث میں کہیں کہیں اُن میں معمولی سی باہمی رنجش کا پہلو بھی سامنے آجاتا ہے۔ حضورؐ ہر بار' ہر موقع پر' صورتِ حال کو سلجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان مواقع پر پیار کا کوئی بول' انکسار کا کوئی انداز' دل میں اترنے والی کوئی نصیحت، شفقت کا کوئی قرینہ، مینارِ نُور بن کر سامنے آتا دکھائی دیتا ہے۔ محبت اور پیار کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کا انکسار اور تواضع ایک عمل انگیز (Catalyst) کے طور پر کارفرما نظر آتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

جب ایک ماہ کی علیحدگی کے اختتام پر حضورؐ نے ازواج کو تنگی ترشی اور سادگی کے ساتھ رفاقت یا کچھ مال ومتاع لے کر راہیں جدا کرنے کا اختیار دیا تو تمام ازواج نے حضرت نبی کریم ﷺ کی زوجیت کو دنیا کے اموال' املاک اور زیورات اور جواہرات پر ترجیح دی۔ یہ حضور ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور عظیم کردار کی ناقابل تردید شہادت ہے۔ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل ہی ہمارے تمام عائلی مسائل کا حل ہے۔ ان دنوں پائے جانے والے عائلی جھگڑوں کے اسباب کی اگر فہرست تیار کی جائے تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات سے دُوری کی وجہ سے لوگ' اکیسویں صدی میں ایک نئے ''عہدِ جاہلیت'' کے بلیک ہول (Black Hole) میں غرق ہونے کیلئے لُڑھک رہے ہیں!

خرید وفروخت میں تواضع اور انکسار کے انداز

خرید وفروخت بھی معاشرے کے افراد کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کے ہر ارشاد میں تربیت کا ایک خاص پہلو موجود ہوتا ہے۔ حضورؐ نے تجارت کو رزقِ

حلال کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی امانت و دیانت کی اہمیت واضح فرمائی ہے اور لین دین ؍خرید وفروخت میں فراڈ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ مساجد کو انسانی آبادی کے بہترین مقامات اور بازاروں کو بعض امکانی اخلاقی خرابیوں کے پیش نظر بدترین مقامات قرار دیا ہے۔ یہ بازاروں اور مساجد کا عبادتِ الٰہی اور تقویٰ کے حوالے سے تقابلی مقابلہ ہے' شرعی حِلّت وحُرمت کی بات نہیں۔ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے حوالے سے ان تجارتی مراکز کی اپنی اہمیت ہے۔
حضورؐ نے منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے خود بھی تجارت کی اور اپنی امانت ودیانت' خوش خلقی اور حسنِ معاملہ سے کامیابی کے علاوہ نیک نام بھی کمایا۔ مدنی دَور میں حضور ﷺ ایک بار کپڑے خریدنے کیلئے بازار تشریف لے گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی ساتھ ہوگئے۔ وہی اس حدیث کے راوی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو 7 ہجری میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توفیق ملی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس واقعہ کا حضور ﷺ کے آخری دو تین سالوں سے تعلق بنتا ہے۔ اس دَور میں قیمت چاندی کے ٹکڑوں کی شکل میں ادا کی جاتی تھی جنھیں تولا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ چاندی کے رائج الوقت سکّے وزن کے لحاظ سے یکساں نہ ہوتے ہوں۔ جنھیں تولنا ضروری سمجھا جاتا ہو۔ حضورؐ نے ادائیگی کرتے وقت' ترازو کے پلڑے کو' دوکاندار کو اپنے حق میں جھکانے پر اصرار کیا یعنی حضورؐ نے کسی قدر زیادہ قیمت ادا کرنا چاہی۔ دوکاندار اس حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا اور دست بوسی کیلئے بے اختیار آگے بڑھا۔ جب کپڑے خرید کر واپس چلنے لگے تو حضرت ابوہریرہؓ نے ازراہِ احترام کپڑوں کا وہ بنڈل اُٹھانا چاہا مگر حضورؐ نے اُسے خود ہی اٹھایا اور فرمایا کہ یہ ذمہ داری بھی خریدار کی ہے۔ یہ حضور ﷺ کا انکسار تھا۔ حضورؐ نے البتہ اس حوالے سے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی شخص بوڑھا اور کمزور ہو یا کسی اور رنگ میں معذور ہو تو اس قسم کا تعاون ایک پسندیدہ عمل ہے۔ (اسوۂ انسانِ کامل۔ از حافظ مظفر احمد صاحب' صفحہ 601,600)

صاحبزادہ ابراہیم کی وفات پر سورج گرہن

حضور ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے مکہ میں کئی بیٹے تولد ہوئے مگر وہ سب طفولیت میں وفات پاگئے۔ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں' زینبؓ، رقیہؓ، اُمِ کلثومؓ، اور فاطمہؓ بلوغت کی عمر کو پہنچیں اور اُن کی شادیاں ہوئیں۔ اُم المومنین ماریہ قبطیہؓ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات سے اولاد نہیں ہوئی۔ ابراہیمؓ جو جنابِ ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے، مدینہ میں 10 ہجری میں کم سنی میں وفات پاگئے۔ حضور ﷺ کو اس بچے کی وفات پر دلی صدمہ ہوا۔ اسی فرزند کے متعلق حضورؐ کا قول ہے کہ اگر ابراہیمؓ زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا (ابنِ ماجہ کتاب الجنائز)۔ صاحبزادہ ابراہیمؓ کو جنت البقیع مدینہ میں دفن کیا گیا۔ صحیح بخاری کتاب الکسوف' میں یہ روایت موجود ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات پر سورج کو گرہن لگا۔ کسی صحابی نے کہہ دیا کہ ابراہیمؓ کی وفات پر سورج کو گرہن لگا کر اللہ تعالیٰ نے بھی تعزیت کی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سننے کے بعد صحابہؓ کے سامنے مسجد میں تقریر کی جس میں صحابی مذکور کی اس ذوقی بات کی تردید فرمائی اور واضح فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ اُن کے گرہن، قوانین قدرت کے ماتحت ظہور میں آئے ہیں۔ اُن کا کسی انسان کی حیات ووفات سے کوئی تعلق نہیں۔ (حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مصنفہ محمد حُسین ہیکل۔ اردو ترجمہ، صفحہ 580 ایڈیشن 1988)
عرض ہے کہ دُنیادار بادشاہ اور حکمران اس قسم کے قدرتی واقعات اور حوادث کی تلاش میں رہتے ہیں بلکہ اپنے نو رتنوں' درباری شاعروں اور مؤرخوں سے اس قسم کے افسانے تصنیف کرواتے ہیں تا اُن کے خاندان اور قبیلہ کی عظمت اور شوکت کو تقویت ملے۔ تاریخ نے ایسے بہت سے بے سروپا افسانوں کو اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ مدینہ میں اس عظیم واقعہ کا ابراہیمؓ کی وفات سے توارد ہوا۔ اس مظاہرہ قدرت کا اس سانحہ سے منطبق ہوجانا ایک اتفاق تھا۔ اس توارد کو اسی طرح تسلیم کرنے سے عوام و خواص کی نظر میں حضورؐ کی ذات کی عظمت مزیداً جاگر ہوجاتی بلکہ اسے حضورؐ کے دعویٔ نبوت کی تائید میں نومبائعین اور مخالفین ومنکرین کے سامنے پیش کیا جاسکتا تھا لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی صداقت شعاری' حق پرستی' اور انکسار وتواضع پر قربان جایئے' صحابہ کرامؓ کے سامنے واضح الفاظ میں نہ صرف یہ کہ اس خیال کی تردید کی بلکہ اس قسم کی غلط فہمی کا ہمیشہ کیلئے ازالہ بھی کردیا۔ اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سچے نبی اور مامور کا وجود ایسے مصنوعی افسانوں سے بہت بالا ہوتا ہے!

ایک محنت کش بادشاہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بناوٹ، تکلّف اور کبر کے عناصر سے مکمل طور پر پاک تھی۔ اگر کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی خاص فضل وکرم کا ذکر کیا تو اُسی لمحے ساتھ ہی کہہ دیا "فَلَا فَخر"! اجتماعی کاموں کے موقعہ پر حضور کی سادگی اور خاکساری طبعی انداز سے خود بخود سامنے آجاتی۔ ایک مرتبہ کسی دفاعی معرکے یا کسی اور سفر سے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ کسی موزوں مقام پر، آرام کیلئے پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ ہوا۔ وہاں رُک کر ساز وسامان اُتارنے کے بعد صحابہؓ ضروری کاموں میں مصروف ہوگئے۔ خیمے نصب کرنا، جانور ذبح کرکے گوشت تیار کرنا، کھانے کی تیاری اور پینے کیلئے پانی جمع کرنا، کھانا پکانا، جانوروں کی نگرانی وغیرہ۔ سفر میں ہنگامی بنیادوں پر کئی کام سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ اس موقع پر حضور ﷺ بھی کام کیلئے مستعد ہوگئے۔ حضورؐ نے لکڑیاں جمع کرنے یعنی ایندھن کی فراہمی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہؓ نے بار بار عرض کیا کہ حضورؐ استراحت فرمائیں۔ وہ یہ خدمت بھی انجام دے لیں گے۔ مگر نبی کریم ﷺ یہ کام کرنے پر مُصر رہے اور اپنے پاک نمونے سے یہ سبق دیا کہ ایسے مواقع پر ساتھیوں کی ضروریات کی فراہمی کے پیشِ نظر سب کو خوش دلی سے تعاون کرنا چاہیئے۔

(شرح المواھب اللدنیہ للزرقانی جلد4 بحوالہ اسوۂ انسانِ کامل۔ مؤلفہ حافظ مظفر احمد صفحہ 601)

حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہاتھ سے ایصال خیر کے ایسے کام سرانجام دے کر حضورؐ کو خوشی ہوتی تھی۔ یثرب (مدینہ) میں وُرود کے جلد بعد، مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع کردیا گیا۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے اس مبارک کام میں بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ اور صحابہ کے ساتھ اینٹیں اور پتھر ڈھوئے۔ (سیرت خاتم النبیینؐ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ 269، ایڈیشن 1996) پھر پانچ سال بعد، جنگِ احزاب کے موقع پر حضورؐ نے مدینہ کے غیر محفوظ علاقے میں خندق کی کھدائی میں بھی حصہ لیا۔ وہ شدید سردی اور غذا کی قِلّت کے دن تھے۔ ان مشکل حالات میں حضورؐ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس محنت ومشقت میں عام مزدوروں کی طرح حصہ لیا۔ بلکہ اس کام کے دوران، ایک سخت پتھر، جسے صحابہ کرامؓ نہ توڑ سکے، ضربِ مصطفویؐ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور اُس وقت اس میں سے نکلنے والی چنگاریوں کے نمودار ہونے پر جنابِ رسالت مآب ﷺ نے قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کے صحابہ کے ہاتھ پر فتح ہونے کی بشارت دی! حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اپنی تصنیف "لائف آف محمدؐ" میں اس واقعہ کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے صفحہ 135، ایڈیشن 2005)

پبلک میں، مزدوروں کی طرح اس قسم کے کاموں کو پوری توجہ اور خوش دلی کے ساتھ سرانجام دینا اُس وقت ممکن ہوتا ہے جب انسان میں کسی قسم کی بڑائی کا شائبہ تک نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس انکسار اور تواضع کا غلبہ ہو۔ یہ ہمارے سیّد وآقاؐ کی صحیح معاشرتی تصویر ہے۔ ہماری جماعت میں "وقارِ عمل" کی روایت کا دوام واستحکام بھی حضورؐ کے اس پاک نمونے کو زندہ رکھنے کی آرزو ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے کام کرکے، مزدوروں اور ہاتھ سے کام کرنے کا وقار رہتی دنیا تک بلند کردیا ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ الکاسب حبیب اللہ۔ یعنی اپنے ہاتھ سے کام کرکے حلال رزق پیدا کرنے والا اللہ کے محبوبوں میں شمار ہوتا ہے۔

انکسار کا ایک دلکش منظر

یوں تو انکسار اور تواضع، حضورؐ کے مزاج اور کردار کا حصہ بن چکے تھے، عبادت کے دوران، خشوع وخضوع کی کیفیت میں حضور کے انہماک واستغراق کا ایک اور ہی عالم ہوتا۔ عبادت اور وہ بھی رمضان کی، ایک حدیث میں راوی نے عجیب ایمان افروز منظر کشی کی ہے۔ مسجد نبوی کی موجودہ شان وشوکت اور وسعت اور تزئین سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ کے عہدِ مبارک کا تقریباً سارا مدینہ شہر اب اس مسجد کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن عہد نبوی میں یہ اینٹ پتھر کی کچی عمارت تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی۔ کھجور کے تنوں کو ستونوں کے طور پر استعمال کیا گیا۔ فرش بھی خام تھا۔ بارش ہوئی۔ پانی ٹپکا اور کچے فرش پر کیچڑ سا بن گیا۔ اسی فرش پر سجدہ

ریز ہوئے۔نماز کے بعد حسبِ معمول صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی جبینِ مبارک پر اُسی کیچڑ کی تہہ موجود تھی۔حضورؐ کو سجدے میں راز و نیاز کے دوران اور نماز کے بعد شاید یہ احساس بھی نہ ہوا ہو کہ چاندی طلعت پر گیلی مٹی کا غازہ ثبت ہو چکا ہے! مسجد کے مسقف حصے اور صحن کی بھی یہی حالت ہوگی۔صحابہ کرام کے ماتھوں پر اسی کیچڑ کے نقش و نگار بنے ہوں گے۔فرشتوں اور عرش کے خدا نے اُن جبینوں کو کس پیار سے دیکھا ہوگا۔

بقولِ اقبال ؎

وہ سجدہ رُوحِ زمیں، جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

حرفِ آخر

سیرتِ نبویؐ تو ایسا بحرِ بیکراں ہے کہ مشاق غوّاص بھی موتی نکالتے نکالتے تھک جاتے ہیں اور یہ خزانہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔بہت سے واقعات، قطار اندر قطار، ذہن میں چلے آرہے ہیں۔اور دل کو موہ لینے والا انکسار، روح و جان کو معطّر کر رہا ہے۔بچوں سے پیار کو لے لیجئے۔حسن وحسینؓ کو گود میں لے کر دُعاؤں سے نواز رہے ہیں۔کبھی ان بچوں کو کندھوں پر بٹھا کر سیر کرواتے ہیں۔حضورﷺ کی نواسی، امامہ بنت زینبؓ نماز کی امامت کے دوران مسجد میں موجود ہیں۔رکوع اور سجدہ میں بچی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔قیام میں اُٹھا لیتے ہیں۔زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے اُسامہ کو بچپن میں چوٹ لگی اور ناک سے خون جاری ہوگیا۔بچے کا خون پونچھا اور اُسے پیار کیا، دُعا دی۔اُس کا دل بہلانے کیلئے مزید کہا:

اگر اُسامہ لڑکی ہوتی تو میں اُسے طلائی چوڑیاں پہناتا''

انکسار کا ایک اور انداز بھی ملاحظہ فرمائیے۔حضرت عمرؓ بن خطاب نے عُمرے پر جانے کی اجازت طلب کی۔اجازت عطا کرتے وقت فرمایا:

''بھائی ہمیں بھی دُعاؤں میں یاد رکھنا''

(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ ، باب الدعا)

حضورﷺ وہ مقدس وجود ہیں جن سے صحابہؓ نے دعا کرنے کا سلیقہ سیکھا۔حضورؐ پر دُرود بھیجنے سے دُعاؤں کو شرفِ قبول عطا ہوتا ہے۔مگر از راہِ انکسار دُعا کیلئے کہتے ہیں۔''وقارِ عمل'' کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ٹامس کارلائل نے لکھا ہے کہ حضورؐ اپنے کپڑوں اور جوتوں کی مرمت کر لیتے اور اس قسم کی مصروفیت کو معیوب نہ سمجھتے۔حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خداداد رعب عطا ہوا تھا۔ایک مرتبہ کوئی شخص خدمتِ اقدس میں حاضر تھا۔حضورؐ کے جلال کے زیرِ اثر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔اس کی تسلی و تشفی کیلئے حضورؐ نے اپنے غریبانہ پس منظر کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

''میں تو اُس ماں کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کو بھی پکا کر گزر بسر کر لیتی تھی''

(ابنِ ماجہ کتاب الاطعمہ)

واقعات تو اور بھی ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے۔مضمون کو کہیں تو بامرِ مجبوری ختم کرنا پڑتا ہے۔ہر مسلمان کے دل میں نبی کریمﷺ کی محبت موجزن ہے۔اور بجا طور پر سب اس محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔محبتِ رسولؐ محبتِ الٰہی کے حصول کا ایک یقینی ذریعہ ہے۔لیکن حصولِ برکات کیلئے دعویٔ محبت کو عملی سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے۔اس حوالے سے حضورؐ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی مخلصانہ کوشش کو سرِ فہرست ہونا چاہیئے۔حضورﷺ کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج بھی اصلاحِ

نفس کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ حضورؐ کی سیرتِ طیّبہ میں جو دراصل قرآن کریم کی تعلیمات کا عکس ہے، عجز و انکسار کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔
قرآنی آیت اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ اَتْقٰکُمْ اور پھر حضورؐ کا خطبہ حجۃ الوداع روشنی کے وہ مینار ہیں جن سے شاہراہِ عمل جگمگا اُٹھتی ہے۔ ان تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کسی کو حقیر نہ سمجھے۔ مالی تفوق، لائق اور قابل اولاد، علمی برتری، منصب کی بلندی، حسب نسب، خاندانی وجاہت، خدمتِ دین، سیاسی تعلقات و روابط یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ انسان ان پر شکر کرے نہ کہ فخر و مُباہات اور دوسروں کی تحقیر۔ ان نعمتوں کی وجہ سے تکبر اور رعونت کی نشوونما اور افزائش سے بچنا چاہیئے۔ سکندرِ اعظم جیسے فاتح عالم کے حوالے سے لوگ ازراہِ نصیحت کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کون سی مادی چیز ساتھ لے جاتا ہے؟ برّصغیر پاک و ہند میں تو کفن میں لپیٹ کر سپردِ خاک کرنے کا رواج ہے۔ امریکہ میں قانون کی پاسداری کرتے ہوئے تابوت کا تکلف کرنا پڑتا ہے۔ جن کی کئی قسمیں ہیں۔ کارڈ بورڈ، لکڑی، جست یا ادنیٰ دھاتوں کے الائے، ایلومینیم، برونز، شاید پلاٹینم کے تابوت بھی ہوتے ہوں۔ متمول اور مالدار مرحومین کو قیمتی تابوتوں میں دفنایا جاتا ہے۔ فراعین مصر کے تابوتوں پر تابوت چڑھائے جاتے تھے۔ ایک تابوت جزوی یا مکمل طور پر سونے کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ ان کے ساتھ سونے کے زیورات، برتن اور دیگر اشیاء بھی دفن کی جاتی تھیں۔ یہ قیمتی تابوت زیادہ سے زیادہ قبر تک ساتھ دیتا ہے۔ کوئی تابوت آج تک برزخ میں نہیں پہنچا۔ ایک حدیث میں تو یہ نقشہ بھی موجود ہے کہ بروزِ حشر کفن بھی نہیں ہوگا۔ سب عریانی کی حالت میں دائیں یا بائیں ہاتھ میں نامہء اعمال دیئے جانے کے منتظر ہوں گے۔ جب بشر کا انجام یہ ہے تو اُسے پیشِ نظر رکھنے میں کیا مضائقہ ہے۔
حضرت نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر بھی غور فرمایئے:

''جس کے دل میں ایک دانے کے برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

(مسند احمد بن حنبل)

پھر حضرت نبی کریم ﷺ کی تعلیم کی ہوئی اس دُعا پر بھی نظر ڈالیئے:

''اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا، اور ایسی حالت میں وفات دینا اور بروزِ حشر مسکینوں کی جماعت میں اُٹھانا۔''

(ترمذی، کتاب الزھد)

''یہ مسکینی'' دل کی مسکینی ہے جسے عجز، انکسار، فروتنی خاکساری اور تواضع کا نام بھی دیا جاتا ہے۔
اس عہد میں حضرت نبی کریم ﷺ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے فنافی الرسولؐ کے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے اسوہ و سیرت کا نمونہ بنا دیا۔ وہی عجز و انکسار ہمیں حضور علیہ السلام کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؑ کی عاجزانہ راہوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ حضورؑ اپنی جماعت کے افراد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولیٰ اسی میں ہے

میرے مرشد کا نام محمدؐ ہے

منظوم کلام حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

توحید کے پرچارک ۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے
ہے بات یہی برحق۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے

اُس نام کے جپنے سے قرآن۔ کا ہوتا ہے اِدراک مجھے
یہ سندر نام ہونٹوں سے دل تک۔ کردیتا ہے پاک مجھے
اللہ کے بہت پیارے۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے

وہ مولیٰ سے ملواتا ہے جب نام اُس کا میں لیتا ہوں
اک بحرِنور کی موجوں پر۔اِک نور کی کشتی کھیتا ہوں
اَے جگ والو۔سن لو۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے

اس نام کے دیپ جلاتا ہوں تو چاند ستارے دیکھتا ہوں
سینے سے عرش تک اٹھتے ہوئے نوروں کے دھارے دیکھتا ہوں
مرے نورِ مجسّم۔ صَلّٰی اللہ۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے

اس نام کا پلّو پکڑے پکڑے اُس دنیا تک جاؤں گا
اُس کے قدموں کی خاک تلے میں اَپنی جنّت پاؤں گا
ہر دم۔ نذرالاسلام۔مرے مُرشد کا نام محمدؐ ہے

(نذرالاسلام کی ایک نظم کا منظوم ترجمہ)

حضرت نبی کریم ﷺ کی شانِ محبوبیت

آں شہِ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ سیّدِ عُشّاقِ حق، شمسُ الضّحیٰ

حسنیٰ مقبول احمد

الودود خدا اپنے برگزیدہ بندوں سے نہ صرف خود محبت کا سلوک فرماتا ہے بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی ان ہستیوں کیلئے عقیدت واطاعت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ سلوک کی انہی منازل کو طے کرتے کرتے محبؑ خود محبوب کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ یہی رازِ محبت سب سے زیادہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں آشکارا ہوا ہے۔ اسی تقرّب کی وجہ سے آپؐ کے قلبِ صافی میں بیک وقت دو قسم کے کامل رجوع ودیعت فرمائے گئے ایک کامل رجوع خدائے لازوال کی ہستی کی طرف اور ایک رجوع اس کی مخلوق کی طرف۔ اس رجعت کا لازمی تقاضا تھا کہ خالق ومخلوق کے رشتۂ محبت، مخلوق کی نجات اور بلندئ درجات کو بھی آپؐ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے یہ حقیقت ہمیں سمجھا دی ہے۔ محبتِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ کے باہمی رشتے کا یہ راز اس آیت میں مخفی ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥

(3:32)

معراج کے تعلق میں اللہ تعالیٰ کی قربت اور رویت کے بعد آپ کی سابقہ انبیاء سے ملاقات ہوئی۔ جو کشفی رنگ میں زُمرۂ انبیاء کی محبت کی آئینہ دار ہے۔

سابقہ انبیاء کا رسولِ پاک ﷺ کیلئے اظہارِ محبت

سورۃ النجم کی آیات 8 تا 18 اور سورۃ بنی اسرائیل کی دوسری آیت میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روحانی سفر یعنی معراج اور اسراء کی تفاصیل ملتی ہیں۔ ان روحانی تجربات کے حوالے سے قبل یہ ذکر ملتا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاقی اور روحانی کاملیت سے مزین فرماتے ہوئے اُفُقِ الْاَعْلٰی یعنی سب سے اونچے درجہ پر سرفراز فرمایا۔ معراج کا واقعہ نبوت کے پانچویں سال اور اسراء کا واقعہ ہجرت سے چھ ماہ یا تقریباً ایک سال قبل پیش آیا۔ ان دونوں واقعات میں آپ کا انبیاء سے ملاقات کرنا مذکور ہے۔ معراج کے واقعات میں آپ کا آسمان پر جانا، انبیاء سے ملنا، کلامِ الٰہی کا نازل ہونا، جنت تک بلند کیا جانا اور پھر اس کے بعد سدرۃ المنتھیٰ تک پہنچنے اور رویتِ باری تعالےٰ کا ذکر شامل ہے۔

اس معراج میں جس انداز میں آپؐ کی انبیاء سے ملاقات کروائی گئی اس سے اُن کی آپؐ کیلئے عزت و احترام اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب جبریلؑ آپ کو اپنے ساتھ لے کر پہلے آسمان پر پہنچے تو وہاں آپؐ نے ایک بزرگ انسان کو دیکھا جس نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ مرحبا اے صالح نبی اور اے صالح فرزند۔ پوچھنے پر آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ جو خالہ زاد بھائی تھے، نے آپ کو ''مرحبا اے صالح نبی اور صالح بھائی کہہ کر خوش آمدید کہا، اسی طرح بالترتیب آپؐ کی حضرت یوسفؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے اسی اندازِ تخاطب سے ملاقات ہوئی۔ آنحضور ﷺ کے دوسرے سفر یعنی اسراء میں جو آپؐ کا بیت الحرام سے بیت المقدس تک کا روحانی سفر تھا، آپ کی ملاقات گزشتہ انبیاء کی ایک جماعت سے ہوئی جنہوں نے آپؐ کی اقتداء میں بیت المقدس میں نماز ادا کی۔ اسی سفر میں آپ نے بیت المقدس کے علاوہ راستہ میں بھی حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کو دیکھا جو آپ کو اوّل، آخر اور حاشر کہہ کر مخاطب کرتے اور سلام کرتے جاتے تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق تو یہ ذکر بھی آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے آپؑ کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور سلام کہا تو حضرت موسیٰؑ رشک کے اس احساس کی وجہ

سے کہ محمدؐ دنیا میں میرے بعد آئے اور مجھ سے آگے بڑھ گئے' رونے لگے جو کہ ایک حسد کا نہیں بلکہ ایک عقیدت کا اظہار تھا۔ اس حوالے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو حضرت نبی کریم ﷺ کی اُمت کا فرد بننے کی تمنا بھی کی۔

(الخصائص الكبرىٰ للسيوطى صفحه 12/1،حديقة الصالحين حديث /999)

خلفائے راشدین کا اپنے محبوب آقا ﷺ سے عشق

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مذکوہ بالا حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ امت محمدیہ کو سب سے پہلے خدائے ذوالجلال کی طرف سے جنت میں داخل ہونے کا اذن عطا ہوگا۔ اور امت محمدیہ میں سب سے پہلے جنت میں جانے والے شخص کی خوش نصیبی کیا ہی قابل رشک ہونی چاہیئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگے۔ تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہوا اور غار میں میرے رفیق تھے۔" (خلفائے راشدین صفحہ 16)۔ یہ فضل حضرت ابوبکرؓ پر عشقِ رسولؐ کے طفیل ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ کا آنحضرتؐ سے بے مثال عشق اس حدیث کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ نبوت سے قبل ہی آپؓ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت آپ مردوں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ ہر پریشانی کی حالت میں حضورؐ کا ساتھ دیا کہ صدیقِ اکبر کہلائے۔ اللہ تعالیٰ سے ہجرت کی خبر ملتے ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے رفیق کو اس کے بارے میں بتایا تو انہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی خواہش ظاہر کی اور جب چار ماہ کے بعد ہجرت کا حکم ہوا اور حضورؐ حضرت ابوبکرؓ کو بتانے کیلئے انکے گھر تشریف لے گئے۔ آپؓ مسرت اور بے چینی کی ملی جلی کیفیت میں بولے الصحبة یا رسول اللہ یعنی "یا رسول اللہ مجھے بھی ساتھ رکھیئے گا"، حضورؐ نے آپ کی خواہش کو منظور فرمایا۔ ہجرت کے دوران کے واقعات ثابت کرتے ہیں کہ کماحقہٗ اس یارِ غار نے آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ غارِ ثور میں قیام کے دوران بھی اس رفیقِ رسولؐ نے قدم قدم پر اپنے محبوب آقا کی آرام و آسائش کا خیال رکھا۔ پہلے خود غار میں جا کر حضورؐ کے آرام کیلئے جگہ صاف کی، سوراخ اور بل وغیرہ بند کئے لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر سر رکھے محوِ استراحت تھے، اس وقت ایک سوراخ میں سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا۔ آپ نے حضورؐ کے آرام میں خلل نہ آنے دیا اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس سانپ کے سر پر اپنا پاؤں رکھ دیا، سانپ نے ڈس لیا، سانپ کے زہر کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی لیکن پھر بھی ضبط کئے رکھا اور کوئی حرکت نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کو سانپ کے کاٹنے کا علم ہوا تو آپؐ نے اسی وقت اس زخم پر اپنا لعاب لگایا جس سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔

قیصرِ روم کی طرف سے عرب پر حملہ کرنے کی تیاریوں کی خبر ملی تو اس متوقع حملہ کے پیش نظر آنحضور ﷺ نے بھی جنگی تیاریوں کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک جاری فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ گھر کا سارا سامان لے آئے اور بڑے اطمینان سے عرض کیا کہ گھر والوں کیلئے اللہ اور اس کا رسولؐ ہی کافی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولِ پاک ﷺ کی زندگی میں ان کے ساتھ رہے، آپؐ کی وفات کے بعد آپکے جاری کردہ امور پر نہایت مستعدی سے مصروفِ کار رہے۔ اپنے وصال سے کچھ دیر قبل پوچھا کہ آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آج دوشنبہ ہے۔ پھر پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا وصال کس دن ہوا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ دوشنبہ کو۔ فرمایا کہ میری بھی خواہش ہے کہ میں آج ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ نہ صرف یہ کہ آپؓ کی یہ خواہش پوری ہوئی بلکہ آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں اپنے محبوب آقا کے پہلو میں مدفون ہونے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ نبوت کے ساتویں برس ایمان لائے۔ اسلام کی خاطر قربانیاں دینے اور قریش کے مظالم سہنے میں نہایت پامردی اور استقلال سے سینہ سپر رہے۔ آنحضور ﷺ کی زندگی میں اور حضورؐ کی وفات کے بعد بھی اتباعِ سنت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ کھانے پینے، نشست و برخاست میں نمونہء رسولؐ مدِ نظر رہتا۔ حضرت عمرؓ کا دس سالہ دورِ خلافت اسلامی فتوحات کا دور کہلاتا ہے۔ عرب کے انتظامی ڈھانچے کو استحکام دینے کے بعد قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ آپؓ کے دور میں کئی نئے شہر آباد ہوئے، 4009 مساجد آپؓ کے عہد میں تعمیر ہوئیں۔ اس فرمانروا کیلئے آسائشوں کی کمی نہ تھی لیکن پھر بھی اس شہنشاہِ قناعت نے محض اس لئے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی کہ ہمارے آقا ﷺ کو یہی طرزِ زندگی پسند تھا

اور اگر ان کے طریق پر عمل نہ کیا تو آخرت میں ان کا ساتھ کیسے نصیب ہوگا۔

زہد و تقویٰ، عدل و انصاف، سادگی جیسے اوصاف، حضرت عمرؓ کی شخصیت کے نمایاں ترین پہلو ہیں لیکن اپنے صادق و مصدوق آقاؐ سے ان کا جذباتی قسم کا عشق بھی کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک کہ آنحضورﷺ پر درُود نہ بھیجا جائے۔ ہر نیکی پر اسی طرح مداومت اختیار کرتے جیسے انہوں نے آنحضورﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

ایک دفعہ آنحضورﷺ اپنے ایک کشف کا ذکر فرما رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ میں جنت میں چلا جا رہا ہوں۔ ایک عورت محل کے باہر وضو کر رہی ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ محل عمرؓ کا ہے۔ میں عمرؓ کی غیرت کے خیال سے اس محل کے اندر نہ گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو روتے ہوئے کہنے لگے کہ یارسول اللہ کیا میں نے آپ پر ہی غیرت کھانا تھی۔ آپؐ کی وفات پر حضرت عمرؓ کا ایک ایسے محبّ والا حال تھا جس کا اپنے محبوب کے بغیر گزارا ممکن نہ ہو۔

آپؓ کی خواہش تھی کہ آپکو نبی کے شہر یعنی مدینہ میں شہادت نصیب ہو۔ آپؓ کی یہ خواہش پوری ہوئی اور ایک روز صبح کی نماز کے دوران ایک مجوسی غلام نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور اس حالت میں بھی انتظامی امور کیلئے متفکر تھے اور ہدایات دیتے جاتے تھے۔ اپنے بیٹے سے کہا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین سلام کہتے ہیں بلکہ یہ کہنا کہ عمر سلام کہتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اگر آپ منظور فرمائیں تو اس خادمِ رسولؐ کو اپنے آقا کے ساتھ مدفون ہونے کی اجازت دیجئے ورنہ جنت البقیع میں جہاں مجھ سے زیادہ بہتر صحابہؓ اور دیگر صحابیاتؓ مدفون ہیں، دفن کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ جگہ اپنی قبر کیلئے مخصوص کر رکھی تھی لیکن آپؓ نے یہ سعادت اس عاشقِ رسولؐ کو دے دی۔ یہ سن کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو آنحضرتﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے قریب دفن کیا گیا ایسے کہ حضرت ابوبکرؓ کا سر آنحضرتﷺ کے سینے کے برابر تھا اور حضرت عمرؓ کا سر حضرت ابوبکرؓ کے سینے کے برابر۔ ان کی تدفین سے حضرت عائشہؓ کا وہ خواب پورا ہوا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند اترے ہیں۔ حضرت علیؓ نے بھی آنحضورﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی محبت کے بارے میں فرمایا کہ حضورﷺ اکثر ایسے بات کرتے تھے کہ میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یہ کہا، یہ کیا یا فلاں جگہ گئے یعنی ان کا ساتھ رہا اور وفات کے بعد بھی ان تینوں کو ساتھ نصیب ہوا اور کاش مجھے بھی ان کا ساتھ نصیب ہو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمانؓ خاندان بنواُمیّہ سے تھے جو بنو ہاشم یعنی قبیلہء خاندانِ رسولؐ کا حریف سمجھا جاتا تھا۔ اپنی والدہ کی طرف سے آنحضرتﷺ کے رشتہ دار بھی تھے، آپ کی نانی بیضاء ام الحکیم آنحضورﷺ کی پھوپھی تھیں مگر خاندانوں کی یہ کشمکش پُرانی تھی۔

جب آپ نے دینِ اسلام کی آواز سنی تو آپ نے اس خاندانی تعصب کی پرواہ نہ کی اور جلد ہی ایمان لے آئے۔ اپنے اسلام لانے کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں اسلام کے متعلق معلومات لینے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا۔ بعد از گفتگو بیعت کرنے کا ارادہ کیا اور اس سے پہلے کہ آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ خود وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ عثمان! اللہ کی جنت قبول کر۔ تیری اور تمام خلق کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے یہ الفاظ ایسے پُر تاثیر تھے کہ میں فوراً ایمان لے آیا۔ ایمان اور اقرار کا یہ رشتہ مزید خوش بختی کا باعث بنا اور آپؓ کو آنحضورﷺ کی دو دفعہ دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ جنگِ بدر کے علاوہ تقریباً ہر موقعہ پر آنحضورﷺ کے ساتھ رہے۔ آپؓ کی تحریک پر ایسے ایسے کام کئے جو اپنی انفرادیت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ جیسے مدینہ میں مسلمانوں کیلئے میٹھے پانی کا کنواں خریدنا، مسجد نبوی کی توسیع کیلئے مسجد کے مضافات میں بسنے والے مکینوں کو اپنے گھر مسجد کی توسیع کیلئے چھوڑنے کے لئے راضی کرنا، فوجی انتظامات کیلئے متعدد بار کثیر رقم پیش کرنا، وغیرہ۔

حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد اسلام کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔ بارہ سالہ عہدِ خلافت میں چھ سال امن و امان اور فتوحات کے تھے، باقی عرصہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشیں کی گئیں اور بغاوت کی تحریکات اُٹھیں۔ اسلامی حکومت کی سلطنت بہت وسیع ہو چکی تھی۔ خلیفہء وقت کیلئے بذاتِ خود ہر جگہ ہر معاملہ کی دیکھ بھال کرنا مشکل تھا۔ آپؓ کی جانب سے عہدوں کی تقسیم، اپنے قرابت داروں سے اپنے ذاتی خرچ سے حسنِ سلوک، اور دیگر ملکی انتظامات کے صحیح اور جائز واقعات کو غلط رنگ دے کر امتِ محمدیہ میں فتنہ پیدا کیا گیا جو بالآخر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ آپ کے دورِ خلافت کے واقعات سے نمایاں طور پر اتباعِ سنّتﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ جب اپنے ہی لوگ الزامات لگاتے تو بے بسی اور مظلومیت کا یہ پیکر انہیں خدا کا واسطہ دے کر یاد دلاتا کہ کیسے مشکل وقت میں، اپنی جان و مال سے رسول اللہﷺ کا ساتھ دیتا آیا ہوں۔ ان کی شہادت کا واقعہ اس محبت اور اطاعت پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ دنیا میں بہت بڑے بڑے جرنیل گزرے ہیں جنہوں نے

ملک وقوم کیلئے بہترین حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے اپنی سلطنتوں کی حدود میں اضافہ کیااور اپنے اطاعت گزار جیالوں کا خون پیش کیا لیکن بہت کم ایسی مثال ملتی ہے کہ ایک حکمران نے بذاتِ خود اپنے پیش رَو کی اطاعت کی پاسداری میں ایک امکانی موت کو گلے سے لگا لیا ہو۔ یہ زرّیں مثال ہمیں شہادتِ عثمانؓ میں نظر آتی ہے۔عبداللہ بن سبا جو یہودی النسل نومسلم تھا،اس فتنے کا بانی مبانی تھا۔اس نے مصر میں جو اسلام کے خلاف سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، اسلامی عقائد میں بدعات اختراع کر کے اس بگڑی ہوئی تعلیم کے معلمین تیار کئے اور سلطنت کے طول وعرض میں پھیلا دیئے۔حضرت عثمانؓ کے خلاف جھوٹے الزامات کی ایک طویل فہرست ہے جس میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت نہیں ملتا اور ان سب کی تفصیل بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کس طرح اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ وصیّتِ رسولؐ سے چمٹے رہے۔آپؓ کا گھر باغیوں کے گھیرے میں تھا۔کئی کبار صحابہؓ آپ کو ان باغیوں سے نبٹنے کیلئے مشورے دے رہے تھے۔لیکن آپ ہر حفاظتی اقدام کو یہ کہہ کر رَدّ کر رہے تھے کہ یہ نائبِ رسولؐ کو زیب نہیں دیتا۔مثلاً ایک مشورہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل کر باغیوں کیساتھ مقابلہ کریں، جس میں کامیابی کی کافی حد تک اُمید تھی۔لیکن آپؓ نے یہ جواب دیا کہ میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امّتِ محمدیہ کی خون ریزی کرے، نہ آپؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ گھر کے دوسرے دروازے سے نکل کر مکہ معظّمہ چلے جائیں جہاں باغی حرمتِ کعبہ کی وجہ سے اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہیں گے۔ آپؓ کو شام جانے کا مشورہ دیا گیا جہاں آپ کے وفادار موجود تھے لیکن آپؓ اس وجہ سے راضی نہ ہوئے کہ آپ اپنے آقا ومطاع کے دارالہجرت کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی پر جس میں آپؓ کی شہادت کی طرف اشارہ تھا' پورا یقین تھا۔آپؓ نے محبتِ رسولؐ کا عظیم الشان نمونہ قائم کرتے ہوئے 656ء میں شہادت پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ کے چوتھے خلیفہء راشد حضرت علیؓ نے تقریباً دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، آپؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ ایک دفعہ آپؓ نے آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے ہی دن اسلام قبول کر لیا۔آپؓ کا محبتِ رسولؐ کا ایک اور نمایاں واقعہ اس وقت سامنے آیا جب آنحضور ﷺ نے اِذنِ الٰہی وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ کے تحت اپنے قریبی رشتہ داروں میں اسلام کی تبلیغ شروع کی، اس وقت حضرت علیؓ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی۔ جب آنحضور ﷺ نے سب رشتہ داروں کو اسلام کا پیغام سنانے کے بعد ان کی طرف سے تعاون اور ساتھ کا مطالبہ فرمایا تو سب خاموش رہے اور صرف حضرت علیؓ نے نہایت جرأت سے اُٹھ کر سب کے سامنے حلفیہ آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ہجرتِ مدینہ کے موقعہ پر بسترِ رسولؐ پر ان کی جگہ سونا، جبکہ آپؐ کے خون کے پیاسے آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، اس نوجوان عاشق کی شجاعت کا عدیم المثال نمونہ ہے۔آپؓ مدنی زندگی میں بھی آنحضور ﷺ کے دست و بازو بنے رہے۔قرآن کریم کی سورۃ التوبہ کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے آپ کو حج کے موقعہ پر اعلان کیلئے مکّہ بھجوایا۔صلح نامہ حدیبیہ آنحضور ﷺ نے آپ سے لکھوایا۔ جب مشرکین نے رسول اللہ کا لفظ لکھنے پر اعتراض کیا تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا اور آپ نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز یہ الفاظ نہیں مٹاؤنگا۔صلح نامہ میں اس مقام کی نشاندہی کرنے پر خود آنحضور ﷺ نے وہ الفاظ وہاں سے مٹائے۔

خیبر کے مقام پر جہاں اسلام دشمن یہودیوں کے مضبوط قلعے تھے، اور وہ اس میں محصور ہو کر لڑتے تھے، اس وجہ سے ان دشمنوں کا سامنا کرنے کیلئے ہتھیلی پر جان رکھ کر لڑنے والوں کی ضرورت تھی۔فتحِ خیبر کیلئے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو قیادت سونپی گئی، پھر یہ کام حضرت عمرؓ کے سپرد ہوا لیکن مسلمانوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ پھر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اب میں یہ علم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے اور جو اللہ اور اسکے رسول کو محبوب رکھتا ہے۔اگلے دن یہ شرف حضرت علیؓ کو عطا ہوا۔ایک آشوبِ چشم کے مریض کو اس اہم کام کی انجام دہی کیلئے منتخب کرنا سب کو حیران کر گیا۔آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب لگایا جس سے یہ تکلیف دور ہوئی اور اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

حضرت علیؓ آنحضور ﷺ کی آخری بیماری میں ہر وقت آپ کے قریب رہتے تھے۔ وفات کے وقت آپؓ کے اسی قرب اور اختصاص کی وجہ سے آنحضور کا غسل، تجہیز و تکفین کی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔حضرت علیؓ کو ہجرت کی رات اپنے آقاؐ کے گھر بسر کر کے شجاعت کا نمونہ قائم کرنے کی توفیق ملی، اسی طرح جنگِ تبوک کے موقعہ پر آپؓ کو ایک بار پھر اہلِ بیت کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔آپؓ نے تقریباً تیس برس آنحضرت ﷺ کی خدمت و رفاقت میں گزارے اور آنحضور ﷺ کے حلیہ، نماز، عبادات و مناجات کے طریق سے متعلق سب سے زیادہ روایتیں

خلفاء میں سے حضرت علیؓ سے منسوب ہیں۔ آپ ان چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے آنحضورؐ کی زندگی میں ہی مکمل طور پر قرآن کریم حفظ کرلیا تھا اور اس کی ہر آیت کے مطلب اور شانِ نزول سے اس لئے واقف تھے کہ آپؓ نے یہ علم بھی آنحضور ﷺ کی رفاقت اور محبت کی وجہ سے پایا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد چھ ماہ تک گوشہ نشین رہے اور یہ عرصہ آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کو نزول کی ترتیب سے جمع اور محفوظ کیا۔ نیز اس گوشہ نشینی کی ایک اور وجہ آپؓ کی اپنے محبوب آقا سے جدائی کا غم تھا اور آنحضور ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

لَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الْفَقْرَ بَلْ اَخَافُ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا۔

یعنی مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں بلکہ تمہاری دولت دنیا ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔

اسلامی سلطنت دنیاوی طور پر وسیع ہو رہی تھی لیکن یہ بھی ایک آزمائش ثابت ہوئی۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں ہی مخالفینِ خلافتِ علیؓ نے اسلامی سلطنت کے حصے بخرے کرتے ہوئے بعض جگہوں پر خلیفۂ وقت کی حکومت کو نظر انداز کر کے اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ آپؓ نے ان میں سے بعض جگہوں پر یہ اقتدار دوبارہ بحال کرلیا لیکن مکمل طور پر ان حالات پر قابو پانے کیلئے اجتماعی اتحاد کی ضرورت تھی، کامل اطاعت کیلئے سنتِ نبویؐ پر عمل کرنے کی ضرورت تھی لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آنحضور ﷺ کی اس پیشگوئی کے ظہور کا 'کہ میرے بعد میری خلافت کا زمانہ تیس برس تک قائم رہے گا' وقت آ گیا تھا۔ آئے دن کی خانہ جنگی سے لوگ پریشان تھے۔ جب حالات کسی طرح قابو میں نہ آئے تو مخالفین نے بجائے اس کے کہ وہ اپنے ناپاک ارادوں سے باز آجاتے اور خلیفہ کی اطاعت میں اکٹھے رہتے انہوں نے خلیفۂ وقت اور ان کے ساتھ دو اور بڑی شخصیات، حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کو ہی صفحۂ ہستی سے مٹانے کا مذموم ارادہ کیا۔ وہ ان تین ہستیوں کو ہی سارے افتراق کی وجہ گردانتے تھے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک خارجی ابن ملجم نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت رمضان 40 ہجری میں ایک روز صبح کی نماز کے دوران حضرت علیؓ پر زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے حملہ کردیا۔ وار اس قدر شدید تھا کہ زندگی بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی، آپؓ نے اپنے بیٹوں کو بلا کر نصیحتیں فرمائیں اسی روز رات کو مولائے حقیقی سے جاملے۔ یہ صرف ایک شخص یا ایک خلیفۃ الرسولؐ کا ناحق خون ہی نہیں بہایا گیا بلکہ اس کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کا دور بھی ختم ہوگیا۔

اولیاء اللہ، محدّثین اور مجدّدین کی آنحضرت ﷺ سے محبت

دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی اسلامی حکومت قائم رہی، اسلامی تاریخ نے امراء اور سلاطین کے زیرِ سایہ بہت سے عروج و زوال کے مراحل دیکھے لیکن احکامات کی کھلی نافرمانی کے نتیجے میں مسلمان ایک بہت بڑی نعمتِ خداوندی یعنی خلافتِ راشدہ کے سائے سے محروم ہوگئے۔ خلفائے راشدین کی اسلامی فتوحات میں کابل سے مراکش تک کا علاقہ شامل ہے۔ ان علاقوں میں مکمل طور پر اسلامی طرز حکومت یعنی خلافت قائم تھی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد 661 میں اموی دورِ حکومت کا آغاز ہوا اس کے بعد عباسی، فاطمی، ایوبی عثمانی اور، مغلیہ خاندانوں میں اسلامی حکومت کے علمبردار پیدا ہوتے رہے اور اسلامی فتوحات کا دائرہ مزید پھیلتا رہا۔ اور اسلام کی آواز نیل کے ساحل سے لے کر خاکِ کاشغر تک پھیل گئی۔ اُندلس، افریقہ، الجزائر، ترکی، کردستان، روس کے جنوب مغربی علاقے اور متحدہ ہندوستان تک کے علاقے مفتوح ہوگئے۔ مسلمانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے حسبِ وعدۂ الٰہی ہر صدی کے سر پر مجدّدین آتے رہے، اولیاء اللہ، محدّثین اور بزرگ پیدا ہوئے۔ اس ضمن میں بہت سے نام ذہن میں آتے ہیں مثلاً عمر بن عبدالعزیزؒ، امام شافعیؒ، قاضی ابوبکر باقلانیؒ، امام غزالیؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، امام سیوطیؒ، امام احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سید احمد بریلویؒ، مشہور مجدّدینِ اُمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی قربِ الٰہی کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔ حضرت رابعہ بصری جو اپنے کشوف و مناجات کی وجہ سے اہلِ ایمان میں بہت معزز سمجھی جاتی تھیں۔ وغیرہم، جنہوں نے اپنے منصب و مرتبہ کے مطابق اسلام تعلیمات کو زندہ رکھا۔ بعض بزرگوں کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ سے اس قدر روحانی قرب حاصل تھا کہ وہ بذریعہ کشف آپؐ سے دیگر امور میں رہنمائی سے فیضیاب ہوتے۔ الغرض قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ... ارشادِ الٰہی کے تحت محبانِ رسولؐ پیدا ہوتے رہے ہیں اور قرآن وسنتِ رسولؐ کی اشاعت ہوتی رہی لیکن خدا کے محبوبؐ کے نائبین کی ناقدری کے بعد مسلمان کبھی بھی ایک ہاتھ پر اکٹھے نہ ہوسکے۔ اسلام فرقوں میں بٹ گیا اور وہ اپنی پیدائش کے اصل مقصد یعنی عبادت اور اطاعت کو بھلا بیٹھے، اور بالآخر بدعات وتفرقات کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے روگردانی ہی اس زوال کا سبب بنی، سرزمینِ ہند میں

1857 کی جنگِ آزادی کے بعد اسلام تیزی سے انحطاط اور ضعف کی طرف جا رہا تھا۔ دوسرے ممالک کا بھی یہی حال تھا لیکن جیسے الحفیظ خدا نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ پورا فرمایا، اسی طرح اسلام کا بھی وہی محافظ ہے۔ اسراء کے روحانی کشف میں جو دودھ کا پیالہ آپ ﷺ نے اپنی اُمّت کی خیر و بھلائی کیلئے پیا تھا اس کا فیضان بھی تو جاری ہونا تھا۔ خدائی وعدوں اور پیغمبرِ صادق ؐ کی پیشگوئی کے عین مطابق آپ کے روحانی فرزند بانیٔ جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود المہدی المسعود کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام از سرِ نو زندہ ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رسولِ کریم ﷺ سے عشق

آپ علیہ السلام اس زمانے کے مہدی ہیں، مسیح ہیں، آنحضرت کی متابعت میں اُمّتی نبی ہیں، لوگوں کو عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ؐ کے وہ قرینے سکھانے آئے ہیں جو وہ بھلا چکے ہیں۔ شروع ہی سے عشقِ رسول ؐ کا ربطِ نہان اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی سعید فطرت میں رکھ دیا تھا۔ دورِ جوانی میں بذریعہ کشوف و رویاء آپ کو اپنے محبوب آقا ؐ کا کئی بار دیدار نصیب ہوا۔ آپؑ ایسے وقت میں آئے جب بظاہر اللہ اور رسول ؐ کے نام لیوا تو بہت موجود تھے لیکن وہ ہستی باری تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے اصل مقام سے ناواقف تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرت سے محبت کا جام روحانی کشوف و رویا کے ذریعہ بھی پلایا گیا۔ آپؑ ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ 1864 یا 1865 عیسوی میں اس زمانہ کے قریب جبکہ یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیلِ علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 4,3) آپؑ اپنی ایک تصنیف 'براہینِ احمدیہ' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب (براہینِ احمدیہ، ناقل) میں تعریف قرآن شریف کی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہے۔ سو وہ دونوں دریائے بے انتہاء ہیں کہ اگر تمام دنیا کے عاقل اور فاضل ان کی تعریف کرتے رہیں تب بھی حق تعریف ادا نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ مبالغہ تک نوبت پہنچے۔ ہاں الہامی عبارت میں کہ جو اس عاجز پر خداوند کریم کی طرف سے القاء ہوئی کچھ کچھ تعریفیں ایسی لکھی ہیں کہ بظاہر اس عاجز کی طرف منسوب ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ سب تعریفیں حضرت خاتم الانبیاء کی ہیں۔ اور اسی وقت کوئی دوسرا ان کی طرف منسوب ہوسکتا ہے کہ جب تلک اس نبی کریم ؐ کی متابعت کرے اور جب متابعت سے ایک ذرہ منہ پھیرے تو پھر تحت الثریٰ میں گر جاتا ہے۔ ان الہامی عبارتوں میں خداوند کریم کا یہی منشاء ہے کہ تا اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کی عظمت ظاہر کرے۔''

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد1 صفحہ 181)

اسلام کی تائید اور مخالفین کے اعتراضات کے ردّ میں حضورؑ کا عظیم الشان لٹریچر ایک تاریخی خدمت ہے۔ ہر ایک تصنیف اپنے اندر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حقانیت کے واضح شواہد پیش کرتی ہے۔ محض براہینِ احمدیہ میں 300 سے زائد دلائل دیئے گئے ہیں اور اس تصنیفِ مبارکہ کو علمی ہتھیاروں کے اسلحہ خانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اپنی تصانیف کے تعلق میں مثلاً براہینِ احمدیہ اور آئینہ کمالاتِ اسلام، حضرت مسیح موعودؑ کو کشفاً آنحضرت ﷺ کی زیارت اور راہنمائی نصیب ہوئی (تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے تذکرہ صفحات 206,230) مزید برآں صداقتِ اسلام کے ثبوت کے طور پر معجزات اور تازہ نشانات کا ایک دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ احیائے اسلام کے حوالے سے تجدیدی کارنامے حضورؑ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدوں کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخلصین کی ایک جماعت عطا فرمائی، جس کی شاخیں اس وقت تقریباً 195 ممالک میں پائی جاتی ہیں۔ حضورؑ نے خود اس بیج کے تناور درخت بن جانے کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ حضورؑ اس رواں دواں چشمے کو حضرت نبی کریم ﷺ کے بحرِ بیکراں کا ایک قطرہ قرار دیتے ہیں

این چشمۂ رواں کہ بخلقِ خُدا دِہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

اور اُمّتِ مرحومہ کے خیرِ اُمم ہونے کا اعزاز بھی خیر الرُسل ؐ کا اعجاز اور فیضان سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ، محبتِ الٰہی کے بعد، عشقِ رسول ؐ کو اپنا سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر ایسا عقیدہ کفر ہے تو دنیا جان لے کہ میں سب سے بڑا کافر ہوں

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد 'الوصیّت کی پیشگوئی کے مطابق محبتِ رسول ؐ کی نورانی شمعیں روشن ہوتی چلی گئیں۔ حضورؑ کے خلفائے عظام کی سب سے نمایاں خصوصیت عشقِ رسول ؐ ہی ہے اور ان عشاقِ رسول ؐ کو اسی نعمت کو افرادِ جماعت میں منتقل کرنے کیلئے گرانقدر خدمات کی توفیق ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ان کوششوں میں برکت شاملِ حال فرماتا رہے، آمین۔

☆......☆......☆......☆

یہ کلمہ مٹانے والے

محمد ظفراللہ، Pocatello, Idaho

کچھ دن ہوئے ایک دوست نے ایک وڈیو بھیجی جس میں پاکستانی پولیس اہلکاروں کو احمدیوں کے گھروں اور مسجدوں پر سے کلمہ طیبہ اور دوسرے عربی کے کلمات مٹاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ میں دکھی دل سے وہ وڈیو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا ایک احمدی گھر پر یا ایک احمدی مسجد پر لکھے جانے سے اللہ اور اس کے رسول کے پاک ناموں میں اتنی برائی آ جاتی ہے کہ ان کو سیمنٹ کی تہہ میں چھپا دیا جائے یا توڑ کر گندی نالی میں بہا دیا جائے؟

خدا جانے کیوں مگر مجھے اس وڈیو کے دیکھنے کے دوران ایک صوفی کا قصہ بھی یاد آتا رہا جس کا مرکزی سبق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ناموں کی تکریم کرنے والوں کے ساتھ کس قدر پیار کا سلوک فرماتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء کے مطابق یہ صوفی صاحب اپنی اوّل زندگی میں ایک عیاش اور شرابی کبابی انسان تھے۔ ایک شام نشے کی ترنگ میں گھر لوٹتے ہوئے آپ کو ایک چیز (ہڈی، یا چمڑے کا پارچہ) زمین پر پڑی نظر آئی جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ آپ نے یہ کہہ کر اٹھا لیا کہ پیارے خدا کا نام اور یوں زمین پر پڑا ہے! اسی نشے کی حالت میں اسے گھر لے جا کر عطر میں بسایا، طاق میں رکھا اور خود سو گئے۔ کہتے ہیں کہ اگلے روز جو سو کر اٹھے تو دُنیا ہی بدل چکی تھی۔ نہ وہ رنگین محفلیں تھیں، نہ ہی وہ مے نوشی، اب وہ اپنے اللہ کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔

صوفی صاحب کی اس کہانی سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے صفاتی ناموں سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضرور نوازتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صوفی موصوف نے اس بسم اللہ لکھے پارچے یا ہڈی کے ٹکڑے کو اُٹھاتے ہوئے یہ قطعی نہیں سوچا ہوگا کہ یہ کسی 'مرتد' نے لکھا ہوگا یا کسی یہودی نے لکھا ہوگا، انہوں نے تو اپنے خدا کا نام لکھا دیکھا اور انہیں اس پر پیار آ گیا۔

کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنَO

(الذّٰریٰت:57)

اور میں نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس غرض سے کہ وہ میری عبادت کریں۔

عبادت صرف پنجوقتہ نمازوں ہی کا نام نہیں۔ عبادت، اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا ذکر کرنا اور اس کی تخلیق پر غور کرتے ہوئے یہ کہنا بھی ہے کہ

'رَبَّنَامَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًاسُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَا بَ النَّارِ...'

(ال عمران:192)

کہ اے ہمارے رب تو نے ہرگز یہ بے مقصد نہیں پیدا کیا۔ پاک ہے تو۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے کلام کے ساتھ محبت بھی ہے۔ اور عبادت اللہ کے کلام کو دیکھ کر یا سن کر دلوں میں نرمی، اس کی محبت اور اس کے خوف کا آ جانا بھی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ O

(الانفال:3)

مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اُس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

جب بندے کے دل میں نرمی، خدا کا خوف، اور محبت، خدا کے لئے اور اس کی مخلوق کے لئے پیدا ہو جائے، تو خدا کو بھی اپنے بندے پر پیار آ جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ محبت، نرمی، خدا

خوفی، یا ایمان کے ایک معمولی مظاہرے نے چوروں کو قطب بنا دیا اور بظاہر بدتر از خلائق لوگوں کو نافع الناس عظمت کے مینار بنا دیا۔ دور کیوں جائیں؟ حضرت عمرؓ کی مثال دیکھ لیں۔ زمانہء جاہلیت کی تمام تر تندخوئی اور جہالت لئے بہن کے گھر داخل ہوتے ہیں۔ بہن کو اور اس کو قرآن شریف پڑھانے والے کو خوب پیٹتے ہیں۔ پھر بہن کی ثابت قدمی کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور بہن کا بہتا خون دیکھ کر پسیجتے ہیں، قرآن پڑھنے کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتے ہیں، یعنی ان لوگوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں جن کی نشانی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں وہ 'وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ' کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے پیارے نام کی اور اس کے کلام کی تکریم سے اللہ کا پیار ملتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ویسا ہی پیار محمد رسول اللہ کے نام اور آپ ﷺ کی سنت کی تکریم سے ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا○ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا○

(الاحزاب: 57, 58)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیّت پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا میں بھی لعنت ڈالی ہے اور آخرت میں بھی اور اس نے ان کیلئے رسوا کُن عذاب تیار کیا ہے۔

اب ذرا اللہ اور رسول کے ناموں کو مٹانے کی کوشش کرنے والوں کا بیان ہو جائے۔ قرآن شریف کے مطابق جب کبھی اعلائے کلمۃ الحق کی کوشش ہوئی ہے کم فہم اور کم علم لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو روکنے کی کوششیں کی ہیں۔ کہیں اللہ کے رسولوں کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا، کہیں ان کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ پیدا کیا گیا۔ کہیں ان کے لیے آگیں جلائی گئیں، حقیقی یا مخالفت کی۔ کہیں عددی برتری پر انحصار کرتے ہوئے جنگ وجدل یا شور وغوغا سے حق کی آواز دبانے کی کوششیں کی گئیں۔ کہیں اس بات پر ضد یں کی گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تم ذکر کرتے ہو ہم ان کو نہیں مانتے۔ کہیں پرانی کتب میں تحریف کر کے یا ان کی گمراہ کن تاویلات کر کے نئی تعلیمات کی روشنی کو گویا گہنانے کی کوششیں کی گئیں۔ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نام لیواؤں کو انکے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں، خاص طور پر اہل کتاب کی طرف سے کی گئی ایسی کوششوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِـئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ○

(توبہ: 32)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ (ہر دوسری بات) رد کرتا ہے سوائے اس کے کہ اپنے نور کو مکمل کر دے خواہ کافر کیسا ہی ناپسند کریں۔

اور نور اللہ کیا ہے؟ نور اللہ وہ ہدایت کی روشنی ہے جو دلوں کو ایمان سے منور کر دیتی ہے، مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ادراک دیتی ہے، اس کے احکام اور اس کی شریعت پر ہر حال میں عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشتی ہے، گویا کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا اور طاغوت کو رَدّ کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔ یہ نور اللہ ہی ہے جو دلوں پر جب اپنا عکس ڈالتا ہے تو کہیں اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کی تمنا رکھنے والے ابوبکرؓ بنا دیتا ہے، اور کہیں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے شہید بنا دیتا ہے، کہیں قید وبند کے باوجود حق بات کہنے سے نہ ٹلنے والے احمد حنبلؒ بنا دیتا ہے، اور کہیں دور دراز علاقوں میں اسلام کی روح پہنچانے والے داتا گنج بخشؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ بنا دیتا ہے۔ یہ محض چند مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نور ہدایت کو پورا کرنے کے وعدے کے لاکھوں ثبوت امّت مسلمہ میں پیدا کئے ہیں، اور انشاء اللہ تا قیامت پیدا کرتا رہے گا۔

بات ہو رہی تھی اللہ اور اس کے رسولوں کے نام مٹانے کی کوشش کرنے والوں کی۔ گزشتہ زمانوں کے مکذبین کا حال قرآن کریم میں خصوصی ذکر یا عمومی حوالے کی صورت میں متعدد آیات میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت دیکھ لیں:

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ○

(ال عمران: 138)

یقیناً تم سے پہلے کئی سنتیں گزر چکی ہیں۔ پس زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا تھا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ ان جھٹلانے والی قوموں، مثلاً نوحؑ کی قوم اور پھر عاد اور ثمود وغیرہ، پر جو بیتی اس کا بھی قرآن میں اکثر جگہوں پر ذکر ہے۔ اسی طرح ایسے لوگوں، مثلاً فرعون کا بھی ذکر ملتا ہے جو اللہ اور رسول کے نام لیواؤں کو مٹانے کی کوشش میں خود مٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد کے بہت سے واقعات کا ذکر قرآن حکیم میں باقاعدہ حوالے سے نہیں ملتا، سو میں ان کو لیتا ہوں۔ تو دیکھیں کہ لوگ ابوالحکم سے ابوجہل کیسے بنتے ہیں۔ قیصر و کسریٰ اپنی حکومتیں کس جرم کی پاداش میں گنواتے ہیں۔ ان سب کی کوشش یہ تھی کہ اللہ اور رسول کے نام لیواؤں کو مٹا دیں۔ مسلمانوں نے ابوجہل اور اس کی قبیل کے لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں دی تھی اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی تھی۔

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں اور ان کے ناموں کی تکریم کرنے والوں کو کیا کیا انعامات ملتے ہیں۔ ایسے میں کوئی صحیح الدماغ، راسخ العقیدہ مسلمان ایسا ہوگا جو صرف اس لئے اللہ اور رسول کے ناموں کو تڑوا کر گندی نالیوں میں پھینکوانے کی ضد کرے گا کہ وہ ایک 'مرزائی' گھر پر یا ایک 'مرزائی' مسجد پر لکھے ہوئے ہیں؟ یا قرآن کریم کے ان نسخوں کی بے حرمتی کرے گا جو ایک احمدی کے، یا ایک عیسائی کے گھر سے ملیں؟ ترجمہ کا فرق ہو سکتا ہے، مگر عربی متن کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ بلکہ میرا تو ایمان ہے کہ قرآن کریم کا جان بوجھ کر غلط ترجمہ کرنے والے سب ایسے نابود ہونگے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے گا اور یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ متم نورہ کہہ کر اور یہ کہہ کر کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O

(الحجر:10)

اور یقیناً ہم نے یہ ذکر اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ہم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ناموں اور ان کے نام لیواؤں کو مٹانے کی کوششوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اب پاکستان میں گزشتہ چند سالوں سے کیا ہو رہا ہے، اس کے نتائج کیا نکل رہے ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں۔ احمدیوں پر کفر کے فتوے پرانے تھے۔ اِکّا دُکّا تشدد کی وارداتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ 1953 میں پنجاب میں احمدیوں کے خلاف فسادات ہوئے۔ 1970 تک حالات مناسب رہے اور ملک نے نمایاں ترقی کی۔ اس دوران میں جماعت احمدیہ نے بھی ترقی کی۔ بہت سے احمدی بھی، اپنی دیانت داری اور کارکردگی کی بنیاد پر نمایاں عہدوں پر پہنچ گئے۔

بھٹو صاحب آئے تو سیاست لائے اور سیاست میں ہمیشہ شور مچانے والوں اور ہجوموں کی سنی جاتی ہے۔ 1974 میں شور مچانے والے جیت گئے، اور وہ لوگ جو احمدیوں سے دلائل میں کبھی نہ جیت پائے تھے ہجوم کی سیاست کے زور پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں کامیاب ہو گئے۔ چند دن کی واہ واہ کے بعد بھٹو صاحب کی شامت اعمال نے انکو ضیاء الحق صاحب کی شکل میں گھیرا۔ ایک سیاسی قتل کی سازش میں ملوث ہونے کے الزام میں بھٹو صاحب پھانسی پا کر ہلاک ہوئے۔ ادھر جنرل ضیاء نے بھٹو کے نقشِ قدم پر چل کر جماعتِ احمدیہ سے عداوت کا فیصلہ کیا۔ احمدیوں کے خلاف زیادہ تر خلاف اسلام اور خلاف عقل قوانین انہی کے زمانے میں بنے اور ان 'اسلامی' قوانین کا اطلاق کچھ یوں ہوا کہ ان احمدیوں کو جو کہ اپنی خدمت اور دیانت کے بل پر اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کی نوکریوں سے نکالا گیا اور ان کی جگہ پر سفارشیوں کو بھرتی کیا گیا۔

آخر ضیاء صاحب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق اس دار فانی سے یوں کوچ کر گئے کہ کان لم یغنوا فیھا کی مثال ان پر صادق آتی محسوس ہوتی تھی، گو کہ ایسا نہیں تھا۔ ضیاء صاحب اپنے پیچھے اپنی باقیات کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا مسئلہ جہادیوں کا چھوڑ گئے۔ ہوا یوں کہ روس کا افغانستان میں بڑھتا ہوا اثر و رسوخ امریکہ کو بوجوہ اچھا نہیں لگا تھا۔ سو جمی کارٹر صاحب کے زمانے میں بعض افغان قبائلیوں کو پیسہ وغیرہ دے کر اس وقت کی افغان حکومت کے خلاف شورش پر آمادہ کیا گیا۔ اس پر روس کو بھی تاؤ آیا اور اس نے باقاعدہ اپنی فوجیں افغانستان میں اتار دیں۔

اس کے بعد افغانستان میں باقاعدہ جہاد کا اعلان ہوا اور بہت سی قومیتوں کے مسلمان اس مقدس جنگ میں شرکت کے لئے، براستہ پاکستان، افغانستان پہنچے۔ انہی لوگوں میں بہت سے عرب بھی تھے۔ ان میں اُن کے سرخیل اسامہ بن لادن

بھی تھے۔ یہ سب امریکہ کے صدر ریگن صاحب کے زمانے میں ہوا۔ ترکیب اس کی کچھ یوں تھی کہ جہادی اپنی جانیں داؤ پر لگاتے تھے، امریکی اپنا اسلحہ اور ڈالر، سعودی اپنا مال اور جہادی۔ اور ضیاء صاحب کی حکومت ان کی بھرپور مدد کرتی تھی۔ دامے درمے تو قطعی نہیں، کہ دام و درہم کی تو ان کے ہاں بھی خاصی قلت تھی، لیکن دام و درہم لے کر ہر قسم کی مدد آنجناب کی حکومت نے خوب کی۔ اس مدد کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی ملک بنا دیا جائے، تاکہ ملک میں جہادی تنظیموں کو پنپنے کا موقعہ ملے۔ سو اپنے ضیاء صاحب نے تمام ضروری اقدامات کئے، جن کے ذریعے ملاؤں کو خوش رکھا جاسکتا تھا۔ اور فی زمانہ ملاؤں کو خوش رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جو خدا اور رسول کے نام پر فساد اور خونریزی کے رستے کھول دیں۔

آخر ان سب کی کوششیں رنگ لائیں، روس کو افغانستان میں شکست ہوئی۔ نہ صرف یہ کہ روس کو شکست ہوئی، کچھ ہی عرصے کے بعد روس خود ہی شکستہ ہو گیا، اور روس کے اور گرم پانیوں کے درمیان فاصلہ کچھ اور بڑھ گیا۔ یہ ایک بہت بڑی بات تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی بہت بری بات بھی تھی۔ بری بات اس لحاظ سے کہ شکست تو صرف روس کو ہوئی تھی لیکن فتح کے دعویدار بہت تھے۔ امریکہ کو یہ زعم تھا کہ اس کا پیسہ لگا، اس کا اسلحہ لگا اور اس کی سیاست کامیاب ہوئی۔ مجاہدین اپنی جگہ اینٹھ رہے تھے کہ فتح تو انکی ہوئی ہے کہ لڑائی تو انہی نے کی تھی، چاہے غیر کے اسلحہ کے ساتھ کی۔ ادھر پاکستانیوں اور خاص طور پر پاکستانی ملاؤں اور ضیاء صاحب کو بجا طور پر یہ گمان تھا کہ اگر ان کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

ضیاء صاحب اور پاکستان کا علاج تو کچھ یوں ہوا کہ پہلے تو اسلحہ کا ایک گودام اڑا اور پھر ضیاء صاحب کا طیارہ اڑ گیا۔ رہے مجاہدین تو وہ افغانستان میں حکومت قائم کرنے کے کام میں الجھ گئے۔ امریکہ نے حالات کا فائدہ اٹھایا، اپنے ذرائع ابلاغ کے بل بوتے پر اپنے فاتح ہونے کا اعلان کر دیا اور مجاہدین اور پاکستان سے اپنی بیزاری کا بھی اعلان کر دیا۔ ضیاء صاحب گئے تو جمہوریت پھر سے نمودار ہوئی۔ جمہوریت کیا تھی کرسیوں اور کرسیوں سے جیل خانے تک کی دوڑ جیسا ایک کھیل تھا جو کہ نواز شریف صاحب نے اور بینظیر صاحبہ نے گویا مل کر کھیلا۔ اس دوران میں عوام کو تو وعدۂ فردا پر ٹرخایا گیا اور ملاؤں کو خوش رکھنے کو اسلام کے نام پر ظلم کے کچھ نئے طریقے وضع کئے گئے۔ اس کھیل کو پرویز مشرف صاحب نے نواز شریف صاحب کی دوسری وزارت عظمیٰ کے زمانے میں ختم کیا۔

اس دوران میں اسامہ بن لادن صاحب، سعودیہ اور سوڈان سے منہ کی کھا کر واپس افغانستان، جو کہ انکی القاعدہ نامی تنظیم کا گڑھ تھا، آ چکے تھے۔ ادھر افغانستان میں کچھ لڑ کر، کچھ آنکھیں دکھا کر، کچھ اسامہ بن لادن صاحب کی مدد سے اور کچھ پاکستان کی رہنمائی میں طالبان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ گو کہ امریکہ نے افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے تقریباً فوراً ہی بعد ہر قسم کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، طالبان کو پیسے کی کوئی خاص تنگی نہیں تھی۔ اسامہ بن لادن صاحب کے توسط سے پیسہ سعودیہ اور دوسرے عرب ممالک سے وافر آتا تھا، اور منشیات کا کاروبار بھی زوروں پر تھا۔

اب اسامہ بن لادن نے اپنی تنظیم کی طرف توجہ دی، اور تقریباً انہی فارمولوں پر اپنے جہاد کی بنیاد رکھی جو کہ ریگن صاحب کے زمانے میں امریکہ نے افغان جہادیوں کو فراہم کئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب ہدف یا امریکہ تھا یا امریکہ کے اتحادی تھے، بلاتخصیص مذہب وملت۔ اب یہ بات ایک لحاظ سے حیران کن بھی ہے اور سبق آموز بھی کہ اس سے قبل ملت اسلامیہ کی بہبود کے لئے کوئی ایک انگلی ہلانے کو تیار نہ تھا۔ پر جب اسلام کے نام پر دنیا میں خوف و ہراس پھیلانے کی دعوت دی گئی تو دنیا کے ہر کونے سے شورش پسند اور منشیات کے دھندے میں مشغول حضرات نے لبیک کہا اور ہر طرف اسلام کے نام پر فساد کرنے کی زیر زمین تنظیمیں وجود میں آ گئیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ امر کچھ ایسا حیرتناک نہیں کیونکہ اس سے کچھ ہی عرصہ پیشتر مولانا مودودی، اپنی تحریروں اور جماعت اسلامی کے ذریعے سے اپنے زعم میں اس 'حقیقت' کا پرچار کر چکے تھے کہ اسلام صرف اور صرف تلوار کے زور سے رائج ہو سکتا ہے۔

بدلے ہوئے حالات میں امریکی مفادات پر جو ایک دو جگہ پر ضرب لگی تو گویا تنبیہہ کے طور پر اس وقت کے امریکی صدر کلنٹن صاحب نے کچھ کارروائی کی۔ اس وقت تک معاملہ کچھ ''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے'' کا سا ہو چکا تھا۔ یوں بھی کلنٹن صاحب کا دور صدارت ختم ہونے کو تھا، اس لئے لگتا ہے کہ وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ان کے بعد جارج بش صاحب ابھی کرسئ صدارت پر متمکن ہو بھی نہ پائے تھے کہ 11 ستمبر 2001 کا واقعہ ہو گیا۔ ذرا حالات سنبھل چکے تو بش صاحب نے بدلہ لینے کی سوچی۔ غور سے دیکھا جائے تو ۱۱ ستمبر کا واقعہ

بغیر اعلان کے جنگ کی ذیل میں آتا تھا اور تمام دنیا کی ہمدردیاں امریکہ کے ساتھ تھیں۔

امریکہ نے پہلے تفتیش کی، پھر افغانستان کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اسامہ بن لادن صاحب کو امریکہ کے حوالے کر دے۔ یہ بات افغانیوں کو بوجوہ منظور نہ تھی۔ افغانیوں نے اسامہ بن لادن صاحب کو کسی غیر جانبدار ملک کے حوالے کرنے کی تجویز پیش کی جو کہ بش صاحب کو منظور نہ ہوئی، اور جنگ شروع ہوگئی۔

جلد ہی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ چھوٹی موٹی سازشوں کے ذریعے نہتے شہریوں کو مار دینا اور بات ہے اور بپھری ہوئی دنیا کا مقابلہ کرنا اور بات۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسامہ بن لادن صاحب کی تنظیم کا شیرازہ بظاہر بکھر گیا، ان کے بعض ساتھی گرفتار ہوگئے، بہت سے افغانستان اور پاکستان کے دشوار گزار قبائلی علاقوں میں بکھر گئے اور اسامہ صاحب کو بھی روپوش ہونا پڑ گیا۔ اب القاعدہ کی قیادت کی نظر پاکستان کی طرف ہوئی۔ پاکستانیوں نے روس کے خلاف مجاہدین کی جو مدد کی تھی اس سے تو یہ ظاہر ہوا تھا کہ پاکستانی خاصے بھروسے کے لائق لوگ تھے پھر باوجود ایک ایٹمی طاقت ہونے کے انہوں نے افغانوں کی، امریکہ کے خلاف، مدد کیوں نہ کی؟ لگتا ہے کہ فیصلہ یہ ہوا کہ پاکستانی تو اچھے مسلمان ہیں، یعنی اسلام کے نام پر ہر قسم کی غنڈہ گردی کی حمایت کو تیار ہیں، صرف یہ فوجی قیادت ہے جو ان کو روکے ہوئے ہے۔ سو اسامہ بن لادن نے یا انکے کسی ہمنوا نے پاکستانی عوام کو مشرف صاحب کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین شروع کی۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ تر پڑھے لکھے پاکستانی کم از کم دل میں اسلام کے نام پر کی جانے والی زیادتیوں کو برا جانتے ہیں، اور زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ ہی سیاست میں آتے ہیں۔ سو القاعدہ والوں کی حکومت میں تو شنوائی نہ ہوئی، حکومت بدلنے کے بعد بھی، لیکن کم تعلیم یافتہ لوگوں میں خاص طور پر شمال مغربی سرحدی علاقوں میں پاکستانی طالبان نے زور پکڑ لیا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ پاکستانی طالبان کی سرکوبی کے لئے پاکستانی فوج وزیرستان میں ہے اور طالبان پاکستان کے مختلف شہروں میں بم دھماکے کر کے بے گناہ مسلمانوں کو کافر کہہ کر مار رہے ہیں۔ پاکستان کا علاقہ جو کہ ایک زمانہ میں آدھے ہندوستان کو اناج فراہم کر سکتا تھا آج وہاں کی اکثریت دانے دانے کو ترستی ہے۔ ملک میں ایسے لوگ ناپید ہیں جو مہارت سے اور ذمہ داری سے ملکی نظام کو سنبھال سکیں۔ جس کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دنیا بھر میں اسلام کو دہشت گردوں کے مذہب کے نام سے، اکثر القاعدہ سے متعلق مثالوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، اور اس وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی زیادتی روا رکھی جا رہی ہے۔ چونکہ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ القاعدہ کا پاکستان کے حکمران طبقے کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے، اس لئے پاکستانی زیادہ مطعون ہوتے ہیں۔

اس صورتحال کو دیکھ کر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اسلام پر جان فدا کرنے والوں کے ساتھ، نعوذ باللہ، یہی سلوک کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب اس سوال کے ساتھ بھی دیا جا سکتا ہے: کیا آج کل کے اسلام کے فدائی خدائی احکامات کی پیروی پورے طور سے کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی پاک کتاب میں یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَانَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَا رِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝

(النساء:31-33)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے کمایا۔ جبکہ وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں بن سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں۔ اور اس کے نشانات میں سے سمندر میں چلنے والی پہاڑوں جیسی (بلند) کشتیاں ہیں۔

اس وعدہ کے مطابق، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا رَبّ مانتے ہیں اور اس یقین پر استقامت دکھاتے ہیں ان کی خدمت پر اس دنیا میں اور آخرت میں فرشتے مامور ہونگے۔ آج حالت تو یہ ہے کہ معمولی سے لالچ پر ایک مُلّا خلق خدا کو مارنے کا فتویٰ دے دیتا ہے، بعض جگہ لالچ صرف اتنا ہوتا ہے کہ فلاں جگہ ایک بڑے مجمع سے خطاب کرنے کا موقعہ ملے گا، پیسے ملیں گے، تصویریں اتریں گی اور اخباروں میں نام آئے گا۔ کیا اللہ کو رب ماننے والوں کو اس قسم کے لالچ زیب دیتے ہیں؟ کیا یہ استقامت کے نمونے ہیں؟

پھر یہ کہ مُلّا صاحب تو یہ فتویٰ دے کر چلے جاتے ہیں کہ فلاں فرقے کے لوگ مرتد

ہیں اور مرتد واجب القتل ہیں، اگلے روز کچھ اسلام کے فدائی ایک ہجوم بنا کر نکلتے ہیں اور مولانا صاحب کے نشان کردہ فرقے کے چند ایسے لوگوں کو اپنے عتاب کا نشانہ بناتے ہیں جو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ اس عمل میں اگر کوئی مر جائے تو حملہ آوروں کی نظر میں جہنم رسید ہوا، اور معتوب فرقے والوں کی نظر میں شہید ہوا۔ اگر قرآن شریف کی بے حرمتی ہو جائے تو وہ انکا قرآن تھا اور اگر کلمہ لکھی چیز کو توڑ کر یا پھاڑ کر نالی میں ڈال دیا تو وہ انکا کلمہ تھا۔ اگر معتوب فرقے کے لوگ جواباً ایسی ہی حرکتیں، اپنی اکثریت والے علاقے میں کر گزریں تو وہ صورتحال گویا ایک حد ہوگی حماقت کی جو کہ صرف اور صرف ایک قطعی طور پر جاہل اور جہنمی معاشرے میں ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی صورتحال سے بچالے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک فرقے کو ایسی زیادتیوں کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ کیا یہی اسلام ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ لے کر آئے تھے؟ کیا یہی اسلام ہے جو قرآن پیش کرتا ہے؟ اگر یہی اسلام ہے تو جن کو اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل دے رکھی ہے تو وہ اس سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ تو ہمارے اب تک کے مشاہدے کی رو سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان جادۂ حق سے رُوگردان ہو گئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا بیان سے متاثر ہو کر چند سعید ارواح یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی مختلف فرقوں کے ایک دوسرے کی تکفیر اور نتیجتاً مار کٹائی سے اسلام کی ہتک کا پہلو نکلتا ہے۔ شاید چند خدا ترس حضرات یہ بھی یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہہ رکھا ہے قرآن شریف میں کہ آپس میں اختلاف نہ رکھو کہ اس سے تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ

(الانفال: 47)

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

پر اس بات کا احتمال پھر بھی ہے کہ ہر فرقے کے مُلّا یہ کہیں کہ ہم ٹھیک ہیں، باقی سب غلط ہیں لہٰذا باقیوں کو توبہ کر کے ہم میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ امید ہے کہ ذیل کے بیان سے کچھ اس کا ازالہ ہو جائے گا۔

یہ تو طے ہے کہ جو اللہ کے معبود حقیقی ہونے کا اور آنحضرت ﷺ کے اللہ کے نبی ہونے کا اقرار نہیں کرتا وہ اپنے مسلمان ہونے کا بھی اعلان نہیں کرتا۔ ان دونوں باتوں کا اقرار کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم کو بھی ایک سچی کتاب مانے اور ایسی تمام حدیثوں کو بھی مانے جو کہ قرآن شریف کے کسی طور خلاف نہیں جاتیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، قرآن کریم میں لکھا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

(الاحزاب: 57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

جس نبی ﷺ پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور جس نبی ﷺ پر وہ اپنے مسلمان بندوں کو درود بھیجنے کی تلقین کرتا ہے اس نبی ﷺ کی تکریم اللہ تعالیٰ کو کس قدر عزیز ہوگی؟ اس بات کا اظہار قرآن کریم میں کئی جگہ ہوتا ہے۔ موجودہ بیان کے لحاظ سے بہترین مثال ہے وہ آیت جس میں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(الحجرٰت: 3)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کرو اور جس طرح تم میں سے بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں سے اونچی آواز میں باتیں کرتے ہیں اس کے سامنے اونچی بات نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ تک نہ چلے۔

یعنی اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کب اپنی آواز کو دوسرے کی آواز سے بلند کرتا ہے؟ اس وقت جب آدمی یہ

گمان کرتا ہے کہ اسکی رائے دوسرے کی رائے سے زیادہ فوقیت رکھتی ہے۔ گویا کہ اپنی رائے کو رسول ﷺ کی رائے پر فوقیت دینے کی ممانعت کی ہے اللہ تعالیٰ نے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ایسا شقی ہوگا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود اپنی رائے کو رسول ﷺ کی رائے سے بہتر خیال کرے گا؟ میرے خیال میں ہر شخص جو کہ کسی بھی، کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے، شعائر اسلامی کے پابند کسی بھی کلمہ گو کو دائرہ اسلام سے خارج گردانے وہ اپنی رائے کو رسول ﷺ کی رائے پر فوقیت دیتا ہے۔ اپنے اس خیال کی توثیق میں آنحضرت ﷺ کی درج ذیل حدیث سے لاتا ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

من صلّی صلاتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلمُ الّذی له ذمة الله و ذمةالرسوله فلا تخفرو الله فی ذمته۔

(ترجمہ: جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کی حفاظت میں ہے۔ پس اللہ کے ساتھ اس کی پناہ میں آنے والے کے سلسلے میں فریب نہ کرو۔)

یہ حدیث انس بن مالک ؓ سے مروی ہے اور صحیح بخاری میں قبلہ سے متعلق احادیث میں آسانی سے مل سکتی ہے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی کہ آنے والے زمانوں میں بعض لوگ عقائد کے معمولی اختلافات کو بنیاد بنا کر اپنے مسلمان بھائیوں کو ایذاء دینے میں سعی کریں گے۔ اسی لئے ہمارے آقا ﷺ نے سخت الفاظ میں تنبیہہ کی اور مسلمان کی تعریف کو ممکنہ حد تک آسان اور ظاہری اعمال پر منحصر رکھا۔

اس حدیث کے قول رسول ﷺ ہونے میں کسی شبہ کی بھی گنجائش نہیں کہ یہ صحیح بخاری میں ہے اور قرآن کریم کی آیات سے متعارض بھی نہیں، بلکہ قرآن شریف کی کچھ آیات اس کی تصدیق کرتی نظر آتی ہیں مثلاً (سورة النساء آیت :4) کہ جو تم کو سلام کہے اس کو یہ نہ کہہ دو کہ تم مومن نہیں ہو۔ اس کے علاوہ (البقرة:257) میں لا اکراہ فی الدین سے بھی اس حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ جہانتک دل میں کچھ عقیدہ رکھنے اور ظاہری اطوار سے مسلمان نظر آنے یا زبان سے اقرار کرنے والوں کا تعلق ہے، اس کی تصریح بھی اسی ایک حدیث میں یہ کہہ کر فرما دی کہ اللہ اور رسول ؐ ایسے لوگوں کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہاں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر ضرور فرمایا ہے، ان کے لئے آخرت کی سزاؤں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ایسے منافقوں سے قتال کا بھی حکم صادر فرمایا ہے جو کہ مسلمانوں کو قتل کرنے کی کوشش کریں۔

اس بحث سے مجھے تو یہی ثابت ہوتا نظر آتا ہے کہ جو علماء عقائد کے فرق کو بنیاد بنا کر دوسرے فرقوں کے لوگوں کو مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں ان کے زیر استعمال قرآن کے نسخوں اور ان کی مسجدوں کی بے حرمتی کو روا سمجھتے ہیں وہ گویا اپنی نفرت بھری آوازوں کو حضرت رحمت اللعالمین ﷺ کی محبت بھری آواز سے بلند کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بلکہ تمام عالم اسلام پر رحم فرمائے، کیونکہ ایسے لوگوں کی صرف پاکستان ہی میں نہیں کل عالم اسلام میں بہتات ہوتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حضرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کے پیش نظر میرا یہ خوف بجا ہے کہ ان لوگوں کی اس اہانت رسول ؐ کی وجہ سے کہیں امت مسلمہ پر خدا کا قہر نہ ٹوٹ پڑے۔ گو کہ اس سے بڑا خدائی قہر کیا ہوگا کہ امت مسلمہ کے دشمن ہم کو ہمارے ہی بعض علماء کے بیانات اور تاویلات مہیا کر کے آپس میں لڑنے پر اکساتے ہیں اور ہم لڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کافر گروں کے گناہوں کی پاداش سے بچائے۔ (آمین)

☆......☆......☆......☆

عمر بھر اَشک کی آواز پہ چلنے والے!
فکر مت کر کہ یہ سورج نہیں ڈھلنے والے

عمر گزرے گی یونہی آنکھ کی دربانی میں
رُکنے والے ہیں نہ یہ اشک سنبھلنے والے

اپنی تصویر کا انجام بھی سوچا ہوتا
اے مرے شہر کی تصویر بدلنے والے!

منجمد چہروں کی خاموش نگاہی پہ نہ جا
ایک آہٹ سے یہ پتھر ہیں پگھلنے والے

(چوھدری محمد علی مضطرؔ عارفی)

رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

ارشاد عرشی ملک ۔ اسلام آباد پاکستان

arshimalik50@hotmail.com

نعت لکھنے کا نہیں مجھ بے ہنر میں حوصلہ
آپؐ ہی کی ذات ہے وجہِ وجودِ کائنات

میں کہ جو کچھ بھی کہوں گی آپؐ ہیں اس سے سوا
آپؐ ہی کے دم سے اپنے آپ پر نازاں حیات

سامنے اللہ کے کرتی ہوں لیکن التجاء
رحمتہ اللعالمیں ہیں، آپؐ ہیں عالی صفات

زندگی دے دے مرے لفظوں کو میرے کبریا
آپؐ ہی انسانیت کے واسطے راہِ نجات

چند کلیاں ہیں محبت کی سو نذرِ مصطفیٰؐ
آپؐ کا ہر قول ہے فکروعمل کا راہ نما

لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا

رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ علیٰ
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

میرے شاہِ دو جہاں کا احمدِ ﷺ مُرسل لقب
آپؐ حرفِ اوّلیں ہیں آپؐ حرفِ آخریں

آپ کے آگے کسی کی ذات کیا اور کیا نسب
آپؐ کی چاہت دلوں میں تا قیامت جا گزیں

با وضو ہے دل مرا اور با وضو ہیں چشم و لب
عاشقوں نے آپؐ پر اس طور جانیں وار دیں

پیش ہیں حرفِ عقیدت سر جھکا کر با ادب
سر فروشی کی زمانے میں نئی رسمیں چلیں

میں ہوں دربارِ شہنشاہ میں گدائے بے نوا
آپؐ جیسا چشمِ گردوں نے نہ دیکھا نہ سنا

لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا

رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

ساری دنیا سے جدا حُسنِ مروت آپؐ کا
تھا عجب غارِ حرا میں رنگِ خلوت آپؐ کا
ذاتِ حق کو بھا گیا طرزِ عبادت آپؐ کا
جزو ہے مذہب کا اِقرارِ رسالت آپؐ کا
ہاں اسی دن سے کہ جب جبریلؑ نے 'اِقْرَاْ' کہا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

عفو میں لپٹا ہوا طرزِ حکومت آپؐ کا
یاد ہے دنیا کو اندازِ عدالت آپؐ کا
نقش ورقِ دہر پر رنگِ شجاعت آپؐ کا
دل کو موہ لیتا ہے پندارِ محبت آپؐ کا
آپؐ عاشق تھے خدا کے آپؐ کا عاشق خدا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

آپؐ جن راہوں سے گزرے ہیں وہ راہیں محترم
واسطے اُمت کے جو کھینچیں وہ آہیں محترم
شرفِ انسانی تھا جن میں وہ نگاہیں محترم
بے کسوں کا جو سہارا تھیں وہ باہیں محترم
غمزدوں کے واسطے تھے آپؐ رحمت کی گھٹا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

آپؐ کی حکمت زمانے میں چراغاں کر گئی
آپؐ کی صحبت سبھی کو مستِ عرفاں کر گئی
فلسفی اور نکتہ دانوں کو پریشاں کر گئی
ایک اُمی کی فراست سب کو حیراں کر گئی
آپؐ پر نازل ہوا قرآن جیسا معجزہ
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

ان گنت آئے مورخ، ان گنت نقاد بھی
مبتدی بھی ان میں تھے ماہر بھی تھے اُستاد بھی
فکر کا تیشہ لئے، اُٹھے کئی فرہاد بھی
اُمتی کچھ نام کے کُچھ صاحبِ الحاد بھی
آپؐ کی تائید میں اللہ کُھلی شمشیر تھا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

جب ہوا اذنِ رسالت آپؐ ہادی ہو گئے
سر جو جھکتے ہی نہ تھے سجدوں کے عادی ہو گئے
ہاں مگر کچھ کبر کے مارے فسادی ہو گئے
اور یوں ابلیس کے وہ اتحادی ہو گئے
معرکہ روزِ ازل کا پھر سے تازہ ہو گیا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

دامنِ گردوں میں جتنے علم کے سرمائے ہیں
آپؐ ہی کی جنبشِ لب کے رسیلے سائے ہیں
قربِ حق کے ہم نے عرشی جو ثمر بھی کھائے ہیں
مصطفٰےؐ کے باغ سے تازہ اُتر کر آئے ہیں

آپؐ ہی سے ابتداء ہے آپؐ پر ہی انتہاء
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

ہیں حجابِ داستاں میں گُم کرشنا اور رام
اور دیگر انبیاء کا عکس بھی کچھ ناتمام
ہے حیاتِ موسوی اور عیسوی بھی تشنہ کام
آپؐ ہیں ماہِ منور آپؐ ہیں ماہِ تمام

ایک گوشہ بھی نہ ذاتِ پاک کا مخفی رہا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

صفحۂ تاریخ میں ہر اک ادا محفوظ ہے
صورت و گفتار و اندازِ حیا محفوظ ہے
نیم شب کا کرب اور آہ و بکا محفوظ ہے
آپؐ کے دل کی تڑپ حرفِ دعا محفوظ ہے

آپؐ کی ذاتِ مطہر مظہرِ نورِ خُدا
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

آپؐ کی ہر ایک آہٹ، ہر صدا محفوظ ہے
آپؐ کے شیریں لبوں نے جو کہا محفوظ ہے
فقر کا، شاہی کا سارا ذائقہ محفوظ ہے
ایک اک لمحے کا عرشی تذکرہ محفوظ ہے

آپؐ سے منسوب ہے یہ بھی انوکھا معجزہ
لب پہ گر نامِ محمد ﷺ خواب میں بھی آ گیا
رات بھر دل نے کہا صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

بے سُری دنیا میں آہنگ و ترنُّم آپؐ ہیں
خُلقِ اعظم آپؐ قرآنِ مُجسّم آپؐ ہیں
ہے پسِ پردہ خُدا، محوِ تکلّم آپؐ ہیں
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں کا تبسم آپؐ ہیں

آپؐ کو تخلیق کر کے مسکرا اٹھا خُدا
پھر کہا بے ساختہ صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ
اس لئے کہتے ہیں ہم صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ

حضرت عبداللہ بن حبیبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا:
تم سورۃ اخلاص اور بعد کی دو سورتیں صبح و شام تین بار پڑھا کرو۔ یہ ذکر تجھے ہر چیز سے بے نیاز کر دے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا متکفل ہو جائے گا۔ (ابو داؤد کتاب الادب)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے فضل اور اپنی نعمت کا اثر اپنے بندہ پر دیکھے یعنی خوشحالی کا اظہار اور توفیق کے مطابق اچھا لباس اور عمدہ رہن سہن اللہ تعالیٰ کو پسند ہے بشرطیکہ اس میں تکبر اور اسراف کا پہلو نہ ہو۔ (ترمذی کتاب الادب)

بین المذاہب کانفرنس

بیت الاکرام Dallas, TX

محمد ظفر اللہ ہنجرا، مبلغ ساؤتھ ریجن امریکہ

جماعت احمدیہ ڈیلس کی مسجد Allen شہر میں واقع ہے اور سڑک کے دوسری طرف Plano شہر کی حدود شروع ہوتی ہے۔

اس مسجد کا رقبہ ساڑھے چار ایکڑ پر مشتمل ہے جس کو اپریل 1996 میں خریدا گیا۔ 2002ء میں اس پر دو بڑے ہال تعمیر کئے گئے اور اس کے ساتھ دفاتر اور کچن بھی بنائے گئے۔ وقت کی ضرورت کو یہ دونوں ہال بڑے احسن طریقے سے پورا کر رہے ہیں لیکن Dallas جماعت میں پچھلے دس سالوں میں مسلسل اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے اب یہ جگہ بہت چھوٹی ہوگئی ہے۔ مبلغ کی رہائش اور باقاعدہ مسجد کی تعمیر ہونا باقی ہے جس کی منظوری ہو چکی ہے اور Dallas جماعت اس عظیم کام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے تیاری کر رہی ہے۔ اللہ ان سب کے اموال ونفوس میں برکت ڈالے۔ یہاں کی انصار اللہ کی تنظیم مسلسل کئی سالوں سے اپنی محنت اور کارکردگی کی بنیاد پر علم انعامی کی حقدار قرار پاتی رہی ہے اور اسی طرح خدام، اطفال اور لجنہ کی تنظیمیں بھی بڑی فعال ہیں۔ مورخہ 6 مارچ 2010 کو جماعت Dallas نے بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد کیا جس کے مضمون کا عنوان تھا

Religion is the Divine Guidance to

Unite the Humanity

اس کیلئے یہودیت، عیسائیت، سکھ اور نیشن آف اسلام کے نمائندوں نے شرکت کی اور جماعت کی طرف سے مکرم ومحترم نائب امیر اور مشنری انچارج نسیم مہدی صاحب نے قرآن کریم سے ثابت کیا کہ مذہب ہی لوگوں کو متحد رکھ سکتا ہے۔

آپ اس کانفرس میں شمولیت کیلئے ایک لمبا سفر کر کے آئے اور اس کے بعد آپ نے Houston اور Austin کی جماعتوں کا بھی دورہ کیا اور مجالس عاملہ اور جماعت کی جنرل میٹنگز میں شمولیت کی اور ان کو انٹرفیتھ میٹنگز اور چھوٹے گاؤں میں تبلیغ کے حوالے سے حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

Dallas جماعت میں اس کانفرنس کا انعقاد بھی دراصل ممبران جماعت کی مسلسل محنت اور کوشش کا ثمر ہی تھا جس کا باعث ایک ماہ قبل Houston میں Media Ourtreach کی کانفرنس تھی؛ جس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ اخبار، ریڈیو، ٹی وی اور سرکردہ شخصیات سے کیسے روابط کئے جاسکتے ہیں۔ Dallas کے ڈاکٹر جری اللہ اس جذبے سے سرشار گئے کہ اب میں روابط بڑھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے Allen کے Mayor

Mr. Stephen Terrell

اور Plano شہر کے Mayor

Mr. Phil Dyer

کے آفس میں متعدد بار فون کر کے ملاقات کا وقت لیا۔ ڈاکٹر جری اللہ صاحب اور مکرم سہیل کوثر صاحب مسلسل رابطہ رکھ کر میئرز سے ملے، اپنا تعارف کروایا اور اس بین المذاہب کانفرنس میں شمولیت پر آمادہ کیا اور اس کے ساتھ دونوں شہروں کے پولیس چیفس کو بھی ملے اور ان کو بھی دعوت نامے دیئے۔ چنانچہ ان سرکردہ شخصیات کے علاوہ 65 غیر از جماعت لوگ شامل ہوئے نیز مقامی جماعت کی حاضری اتنی تھی کہ جگہ کم پڑ گئی اور لوگوں کو باہر کھڑا ہونا پڑا۔

سب حاضرین نے جماعت کی کوششوں کو سراہا اور شکریہ ادا کیا کہ جماعت نے ان کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا اور تبلیغ کی ایک اور شاخ مہمان نوازی کے لئے شیخ وسیم احمد صاحب سیکریٹری ضیافت نے ایک نمایاں کردار ادا کیا اور اس کے ساتھ اس پروگرام کی تشہیر بھی ریڈیو اخبارات کے ذریعے مسلسل کرواتے رہے۔

اس کانفرنس کی تیاری اور انتظامات مکرم صدر صاحب جماعت Dallas چوہدری اکرم شاہد کی زیرِ نگرانی مکرم ملک منصور احمد صاحب سیکریٹری تبلیغ نے بڑی محنت اور احسن طریق سے سرانجام دیئے اور ساری جماعت کو اس طرح شامل کیا کہ ہر ایک اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار اور نگران سمجھتا تھا۔

قائد خدام الاحمدیہ مکرم انور رفیق صاحب اور خدام اور اطفال نے مسجد کی تزئین اور پارکنگ کے انتظامات میں ایک نمایاں کردار ادا کیا اور اس کے علاوہ بعض ایسے خاموش کام کرنے والے بھی تھے جو دعاؤں سے اس کی کامیابی کے منتظر تھے اور نوجوانوں کے حوصلوں کو بلند تر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کام کرنے والوں کو جزائے خیر دے۔ جہاں اس قسم کی میٹنگز تبلیغ اور تعارفِ جماعت کا ذریعہ بنتی ہیں وہاں ایک خاموش تربیت کا عظیم کردار ادا کر رہی ہوتی ہیں۔ اور بہت سے نوجوانوں یا کم تربیت یافتہ کیلئے تبدیلی کا اہم موڑ بن جاتی ہیں اور سب لوگوں کی شمولیت ایک دوسرے کے حوصلے بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ہر سال جلسوں کے انعقاد سے بھی دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد جماعت کی تربیت اور تبلیغ اسلام تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جذبہ کو قائم و دائم رکھے اور اس قسم کی میٹنگز اگر جماعتیں ہر ماہ کرنا شروع کر دیں تو ہمارے بہت سارے تربیتی مسائل بھی حل ہوتے جائیں گے۔ اور ایک نیا جوش اور جذبہ بیدار ہو جائے گا۔

مراجعتِ مکہ

صادق باجوہ۔ میری لینڈ

زمیں بھی تخلیق کی گئی ہے، فلک بھی جس کے لئے بنایا
وہی ہے دُرِّ یتیم یکتا، مثیل جس کا نہ تھا، نہ آیا

وہ خامشی سے نکل گیا تھا مگر ہے فوجوں کے ساتھ آیا
خدائے رحماں کا وہ پیمبر بنا ہے رحمت کا سب پہ سایا

جو زُعمِ باطل میں مُقتدِر تھے جہاں کی نظروں میں معتبر تھے
جنہیں سمجھتے سبھی گُہر تھے فلک نے خاکِ زمیں بنایا

عجیب منظر جہاں نے دیکھا وہ کوہِ فاراں پہ جلوہ گر تھا
جسے نکالا گیا وطن سے وہ بن کے شاہِ جہان آیا

صفوں میں اعداء تو منتظِر تھے، کہ سر کٹیں گے، مگر تھے ششدر
نہ قتل گاہیں سجی ہوئی تھیں نہ جشنِ فتح و ظفر منایا

نہ خوں کا دریا کہیں بہا تھا، نہ گاؤں کوئی جلا ہوا تھا
نہ حشر ہی کچھ بپا ہوا تھا، کہاں سے جرنیل ایسا آیا

نرالی فتحِ عظیم دیکھی، سلام فاتح کی عظمتوں کو
نہ پہلے دنیا نے ہوتے دیکھا نہ ایسا منظر کبھی پھر آیا

جھکا ہوا سر تھا اونٹنی پر، لبوں پہ حمد و ثنا تھی جاری
عدو کی خاطر جو حکم آیا تو درگزر کی نوید لایا

محترم ابا جان سردار محمود احمد صاحب عارف مرحوم کی پیاری یادیں

نصیر احمد صاحب عارف کارکن سلسلہ قادیان

موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے کسی بھی ذی روح کو رستگاری نہیں مگر بحیثیت اشرف المخلوقات سرخرو وہی انسان ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کو مقصود زندگی بنا کرتا حیات صبر و استقامت کا مؤمنانہ مظاہرہ کرتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ قوموں کی اجتماعی زندگی اور ترقی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ اپنے اجداد کے کارناموں اور قربانیوں کو یاد رکھتی ہیں، انہیں اپنی زندگیوں کے لئے مشعل راہ بناتی ہیں اور انکو ہمیشہ زندہ رکھتی ہیں۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر خاکسار آج اپنے پیارے ابا جان محترم سردار محمود احمد صاحب عارف درویش واقف زندگی مرحوم و مغفور کے ذکر خیر کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔

میرے پیارے ابا جان محترم سردار محمود احمد صاحب عارف درویش ولد مکرم سردار شیر محمد صاحب مرحوم مورخہ 16 دسمبر 1925 کو موضع نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ایک ہمشیرہ محترمہ نور آمنہ صاحبہ اور دو بھائی محترم سردار عبدالحق صاحب شاکر مرحوم واقف زندگی اور محترم سردار ماسٹر محمد انور صاحب مرحوم تھے۔ محترم سردار عبدالحق صاحب شاکر پٹواری نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر زندگی وقف کی اور قادیان آ گئے۔ مرکز احمدیت میں انہیں مختلف دفاتر میں خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔ 1947 میں پاکستان چلے گئے۔ اور آخری وقت تک دفتر تحریک جدید ربوہ میں خدمات سلسلہ سرانجام دیں۔ محترم ابا جان کے دوسرے بھائی محترم سردار محمد انور صاحب گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ بھی ربوہ آ گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ پھوپھی جان محترمہ نور آمنہ صاحبہ کی شادی مکرم عبدالحمید صاحب آصف آف گجرات سے ہوئی۔ آپ ہر دو بھی وفات پا چکے ہیں۔

محترم والد صاحب کی والدہ کا نام محترمہ رقیہ بیگم صاحبہ تھا۔ آپ کے والدین بچپن میں ہی وفات پا چکے تھے۔ آپ کی پرورش آپ کے تایا جان مکرم سردار غلام احمد صاحب نے کی۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کے تایا جان نے 1938ء میں آپ کو مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل کرا دیا۔ 1939ء میں جب دوسری عالمی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک پر آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ محترم والد صاحب کے بقول آپ کی یونٹ کا نام 8/15 پنجاب رجمنٹ تھا۔ جو عالمی جنگ عظیم کے آغاز میں قائم کی گئی تھی۔ اس رجمنٹ میں 3 کمپنیاں عیسائیوں کی اور ایک خالصتاً احمدی نوجوانوں کی احمدیہ کمپنی تھی۔ عیسائی کمپنیوں میں سے ایک کے کمپنی کمانڈر محترم صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب ابن محترم حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ تھے۔ جبکہ احمدیہ کمپنی کا کمانڈر ایک سکھ تھا۔ جس کا نام سرائن سنگھ آف جالندھر تھا۔ وہ احمدی نوجوانوں کیلئے بہت نرم گوشہ رکھتا تھا۔

فوج میں بھرتی ہونے کے بعد آپ پہلے انبالہ گئے اور وہاں چند ماہ کی ٹریننگ کے بعد آپ کلکتہ چلے گئے۔ جہاں آپ کی ٹریننگ مکمل ہوئی اور حلف برداری کے بعد واپس انبالہ آ گئے چند ماہ کے بعد آپ کی ڈیوٹی سندھ میں لگی۔ یہ مسلم علاقہ تھا اور وہاں کے مسلمانوں نے بغاوت کر رکھی تھی۔ آپ بتاتے تھے کہ ہم ان مسلمانوں کو پیار و محبت سے سمجھاتے اور ان پر کسی بھی قسم کا ظلم یا زیادتی نہ کرتے اور نہ ہی انہوں نے ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر ہماری یونٹ کے عیسائی فوجیوں نے ان مسلمانوں پر بہت ظلم کئے۔ ان کو گرفتار بھی کیا۔ اور کئی ایک کو جان سے بھی مارا۔ اس دوران آپ کی یونٹ صوبہ سرحد چلی گئی۔ جو ایک آزاد علاقہ تھا۔ یہاں پٹھان رہتے تھے۔ آپ نے بتایا کہ ہم کو تاکیدی ہدایت تھی کہ ان لوگوں سے کوئی ناروا سلوک نہیں کرنا۔ ہماری ڈیوٹی اس آزاد علاقہ میں عمومی نوعیت کی تھی۔ کمپنی کمانڈر محترم صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب تھے جو میجر کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ جب قلعہ سے باہر نکلتے خاکسار بھی اکثر آپ کے ہمراہ ہوتا۔ خاکسار نے دیکھا کہ پٹھان محترم صاحبزادہ صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور اکثر پھل وغیرہ تحفے بھی لا کر دیا کرتے تھے۔ آپ بتاتے تھے کہ غالباً 1943,44ء میں جب ہماری یونٹ انبالہ میں تھی تو دہلی اور سندھ میں بغاوت کی شورش اٹھی۔ جس کے مدنظر محکمہ دفاع گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک پیراشوٹ بٹالین قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس میں مختلف بٹالینوں کے تعلیم یافتہ، تجربہ کار اور صحت مند جوانوں کو شامل کیا۔ احمدیہ کمپنی سے بھی چند نوجوانوں کو اس پیراشوٹ بٹالین میں ٹرانسفر کر دیا گیا جس میں خاکسار بھی تھا۔ اس بٹالین میں غیر احمدی بھی تھے اور اس کا کمپنی کمانڈر ایک پٹھان تھا۔ غالباً عید الفطر کے موقع پر نماز عید کا با جماعت اہتمام کیا گیا۔ نماز دہلی کے ایک غیر احمدی امام نے پڑھانی تھی۔ احمدی جوانوں نے

اپنی نماز الگ ادا کی جب کمپنی کمانڈر کو علم ہؤا کہ یہ احمدی ہیں اور انہوں نے الگ نماز ادا کی ہے تو اس نے ہمیں سزا کے طور پر واپس ہماری بٹالین میں بھیج دیا۔ بعد میں علم ہؤا کہ جو پیراشوٹ بٹالین سندھ بھجوائی گئی تھی اس کا وہاں کافی نقصان ہؤا۔ پیراشوٹ بٹالین کے جوان سندھ کے غیر آباد، دور دراز علاقوں اور جنگلوں میں اتارے گئے ان میں سے کئی جوان مر گئے اور کئی لاپتہ ہو گئے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم احمدی نوجوانوں کو محفوظ رکھا اور انہیں کسی دوسرے جنگی محاذ پر بھی جانے کا موقعہ نہیں ملا۔

1944ء میں فوجی نوکری کے دوران ہی آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے خط لکھا جسے حضور انورؓ نے از راہ شفقت منظور فرما لیا اور سروس جاری رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ نیز فرمایا کہ جب ضرورت ہوگی بلا لیا جائے گا۔ 1945ء میں جب عالمی جنگ ختم ہوگئی تو حضور انورؓ نے فوج چھوڑ کر قادیان آنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ 1946ء کے آخر میں قادیان حاضر ہو گئے۔ آپکے ساتھ ایک اور واقف زندگی احمدی جوان مکرم محمد شفیع سلیم صاحب آف گجرات بھی تھے۔ والد صاحب نے قادیان آکر قصر خلافت قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کی۔ حضور انورؓ نے بڑی شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کی شعبہ حفاظت مرکز میں تقرری کا ارشاد فرمایا اور مکرم محمد شفیع سلیم صاحب کی تقرری دفتر تجارت میں ہوئی۔

آپ بتاتے تھے کہ 1947ء میں ملک میں آزادی کی لہر پورے جوش و خروش کے ساتھ شروع ہو چکی تھی۔ ساتھ ہی قیام پاکستان کا مطالبہ بھی زور دار طریق پر چل رہا تھا۔ ملک میں بدامنی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ملک کے بیشتر حصّوں میں فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ ان حالات میں قادیان کی حفاظت کے لئے شعبہء حفاظت مرکز کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اس محکمہ میں ڈیوٹی دینے والے جملہ کارکنان ریٹائرڈ فوجی افراد تھے۔ جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ اور اس اہم جماعتی فریضہ کی بجا آوری میں بعض نے شہادت بھی پائی مگر اپنی مفوضہ ڈیوٹی میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ قادیان کی حفاظت کے لئے جہاں مختلف نوعیت کے مقامی اقدام کئے گئے وہاں بعض افراد کو مضافات میں بھی متعین کیا گیا۔ تا بیرونی حملہ آوروں کو روکا جا سکے۔ اس اقدام کا بہت فائدہ ہؤا اور کئی حملہ آور جتھوں کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ حالات دن بدن خراب ہوتے گئے اور غیر احمدی مرد، عورتیں اور بچے اپنی حفاظت کے لئے بکثرت قادیان آنا شروع ہو گئے۔ ان سب کو ساکنین قادیان نے فراخ دلی کے ساتھ جگہ دی اور ان کے قیام وطعام کا انتظام کیا۔ مہاجرین سے قادیان کی تمام گلیاں، تمام محلے اور سڑکیں بھر گئیں۔

ایسے مخدوش حالات میں حضور انورؓ کا قادیان میں قیام مناسب نہیں تھا۔ لہذا آپ اگست 1947ء میں لاہور تشریف لے گئے اور وہاں رتن باغ میں قیام فرمایا۔

ان غیر معمولی مخدوش حالات میں حضور جماعت اور خاص طور پر قادیان کے ذمہ دار افراد کی لاہور ہی سے راہنمائی فرماتے رہے۔

اسی دوران سرکاری طور پر اعلان ہؤا کہ قادیان کی آبادی کو قافلہ کی صورت میں لاہور بھجوا دیا جائے۔ جبکہ ریڈیو سے حضور انورؓ کا یہ پیغام نشر ہؤا کہ افراد قادیان قافلہ کی صورت میں نہ آئیں۔ اس غرض کے لئے حضور انورؓ نے 100 سے زائد بسوں اور ٹرکوں کا انتظام فرمایا۔ جن کے ذریعہ کثیر تعداد میں افراد جماعت لاہور روانہ ہوئے۔ اس قافلہ کو راستہ میں تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچا مگر اکثریت بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئی۔ اس قافلہ میں کثیر تعداد میں غیر احمدی مرد خواتین اور بچے بھی شامل تھے بعد میں بھی وقتاً فوقتاً ٹرک اور بسیں قادیان آتی رہیں جن کے ذریعے احمدی آبادی کو منتقل کیا جاتا رہا۔

محترم والد صاحب مرحوم بتاتے تھے کہ افراد جماعت کو بھجوانے کا انتظام شعبہء حفاظت مرکز کے سپرد تھا۔ خاکسار کی بھی اس میں ڈیوٹی تھی۔ خاکسار نے اپنے بھائی بہن، اہلیہ اور دیگر عزیز و اقارب کے جانے کا انتظام کیا۔ مگر خود میرے دل میں ایک لحہ کے لئے بھی قادیان کو چھوڑنے کا خیال تک نہ آیا۔ میں یہ عزم کر چکا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اپنے پیارے مرکز کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا قادیان کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ خواہ اس کے لئے مجھے جان بھی قربان کرنی پڑے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر طرح سے محفوظ رکھا اور مجھے درویشی کی زندگی اختیار کرنے کی توفیق دی۔

آخری قافلہ ماہ اکتوبر یا نومبر 1947ء کو قادیان سے گیا۔ جس کے انچارج محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس تھے۔ یہ قافلہ محلّہ دارالانوار سے پرسوز دعاؤں کے ساتھ روانہ ہؤا۔ اس میں آٹھ دس ٹرک تھے اس کے بعد بھی فرداً فرداً لوگ ہجرت کرتے رہے۔ ماہ فروری 1948ء میں یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اس آخری قافلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم بھی لاہور تشریف لے گئے تھے۔

آپ بتاتے تھے کہ حضور انورؓ کے جانے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ امیر مقامی اور نگران مقرر کئے گئے۔ بعدہٗ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب امیر و نگران مقرر ہوئے اور آپ کے لاہور تشریف لے جانے کے بعد شعبہء حفاظت مرکز کے نگران مکرم شیر ولی صاحب ریٹائرڈ صوبیدار میجر اور آنریری کیپٹن نگران اور امیر مقامی بنائے گئے۔ مکرم شیر ولی صاحب کے جانے کے بعد چونکہ حالات کافی حد تک پرامن ہو گئے تھے اس لئے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹؓ کو ناظر اعلیٰ و امیر مقامی بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ حسب ارشاد حضور انورؓ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کے قیام اور بیرونی جماعتوں کو منظم کرنے کا کام شروع ہؤا۔ اکثر دفاتر نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی صدر انجمن احمدیہ کی جائیدادوں کی واگزاری کا کام بھی شروع ہؤا جو محکمہ کسٹوڈین کی تحویل میں چلی گئیں تھیں۔

مرکزی حکومت کی ہدایت پر حکومت پنجاب کا یہ فیصلہ قابل تعریف تھا کہ

قادیان کے انخلا کے بعد جو چند سوافراد قادیان میں رہ گئے تھے ان کی حفاظت کا سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ موجودہ احمدیہ محلّہ احمدیوں کی تحویل میں رکھے جانے کا فیصلہ ہؤا۔ نیز یہ بھی فیصلہ ہؤا کہ اس ایریا میں کسی غیر مسلم کو خالی ہو چکے مکان الاٹ نہ ہونگے۔ چنانچہ محلّہ احمدیہ آہستہ آہستہ آباد ہونا شروع ہؤا۔ شادی شدہ درویشان کی فیملیاں جو پاکستان چلی گئی تھیں واپس آنے لگیں۔ بعض غیر شادی شدہ درویشان کی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں شادیاں ہوئیں اور بعض خاندان حضور انورؒ کی تحریک پر قادیان آکر آباد ہوئے۔

محترم والد صاحب کی شادی 1945ء میں اپنے تایا مکرم غلام احمد صاحب مرحوم کی بیٹی مکرمہ فاطمہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے ہوئی۔ 1947ء میں آپ کی اہلیہ بھی پاکستان چلی گئیں اور 1950ء میں حالات نارمل ہونے پر واپس قادیان آئیں۔ شادی کے سات سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے درویشانہ زندگی کی برکت سے جہاں بے شمار دیگر برکتیں عطا فرمائیں وہاں اولاد کی نعمت سے بھی نوازا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں جو اللہ کے فضل سے شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ آپ نے اپنی ساری اولاد کی بہترین رنگ میں تربیت کی۔ تمام بچے اپنی اپنی جگہ سیٹ ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی حمیدہ بشریٰ صاحبہ مکرم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب مرحوم ابن مکرم حکیم عبدالصمد صاحب مرحوم آف حیدرآباد کی اہلیہ ہیں۔ دوسری بیٹی مکرمہ راشدہ پروین صاحبہ مکرم نصیر احمد صاحب انور ابن مکرم ماسٹر محمد ابراھیم صاحب درویش مرحوم آف قادیان کی اہلیہ ہیں۔ تیسری بیٹی مکرمہ مبارکہ نسرین صاحبہ مکرم شمیم احمد صاحب ابن مکرم سیٹھ مہردین صاحب آف سکندرآباد کی اہلیہ ہیں۔ بڑے بیٹے مکرم طاہر احمد صاحب عارف حال لونا والا (مہاراشٹر) گورنمنٹ سروس کرتے ہیں۔ دوسرے بیٹے مکرم لئیق احمد صاحب عارف مقیم قادیان ذاتی کام کررہے ہیں۔ جبکہ خاکسار نصیر احمد عارف واقف زندگی نظارت امور عامہ میں خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

تقسیم ملک کے بعد جب حالات مکمل طور پر سازگار ہوگئے اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر قائم ہوگئے تو شعبۂ حفاظت مرکز کے تعلیم یافتہ درویش نوجوانوں کو دفاتر میں کام کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس طرح آپکو صدر انجمن احمدیہ کے مختلف دفاتر میں اعلیٰ رنگ میں خدمت سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ بطور نائب ناظر اعلیٰ، نائب ناظر تعلیم، نائب ناظر امور عامہ، آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ، ناظر بیت المال آمد و خرچ اور قائمقام ناظر اعلیٰ قادیان کے طور پر خدمات بجا لانے کی توفیق ملی۔ 1985ء میں ناظر بیت المال خرچ سے ریٹائر ہوئے۔ بعدہٗ بطور نائب ناظم وقف جدید بیرون تقرر ہؤا۔ اس عہدہ پر بھی آپ نے لمبا عرصہ خدمت سرانجام دی۔ آخر کمزوری اور عمر کے تقاضا کی بناء پر 2005ء میں اس خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ نے نہایت لگن اور جذبہ سے تمام دفاتر میں خدمات سرانجام دیں۔ ساری درویشانہ زندگی نہایت صبر و شکر سے گزاری اور ہمیشہ سلسلہ سے وفا کی۔ تنگی کے ادوار میں بھی کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔ آبائی جائیداد کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور آخری وقت تک درِ مسیح پر دھونی رمائے بیٹھے رہے۔

1982ء میں آپکو انتخاب خلافت رابعہ کے موقعہ پر صدر انجمن احمدیہ قادیان کی نمائندگی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی طرح 1988ء میں بھی آپ کو جلسہ سالانہ UK میں بھی بطور نمائندہ صدر انجمن احمدیہ قادیان شامل ہونے کی توفیق ملی۔

محترم ابا جان 25 فروری 2009ء بروز بدھ صبح 4 بجے مولائے حقیقی سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ موصی تھے۔ اگلے روز یعنی 26 فروری کو جنازہ گاہ بہشتی مقبرہ میں مکرم مولانا محمد انعام صاحب غوری ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان نے آپکی نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں کثیر تعداد میں احباب نے شرکت کی۔ اسی روز قادیان میں شوریٰ کا اجلاس تھا۔ جس میں شمولیت کے لئے ہندوستان کے تمام صوبہ جات سے امراء وصدر صاحبان تشریف لائے تھے۔ اس طرح آپ کے جنازہ میں پورے ہندوستان کی نمائندگی ہوگئی۔ بعد جنازہ آپ کی تدفین قطعہ درویشان میں ہوئی اور بعد تدفین مکرم مولانا محمد انعام صاحب غوری نے ہی دعا کروائی۔ مورخہ 27 فروری کو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بیت الفتوح لنڈن میں نماز جمعہ کے بعد آپ کی نماز جنازہ غائب ادا کی اور آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

''تیسرا جنازہ مکرم محمود احمد صاحب عارف درویش قادیان کا ہے۔ انہوں نے 25 فروری کو 84 سال کی عمر میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بھی نہایت نیک متقی نمازوں کے پابند صابر شاکر انسان تھے۔ درویشان تقریباً سارے ہی صابر شاکر ہیں۔ نوجوانی میں شیخوپورہ سے قادیان ہجرت کر گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا اور زندگی وقف کرنے کی توفیق پائی۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر فوج میں بھرتی ہوئے اور پھر آپ کے حکم سے ہی فوج چھوڑ دی اور جماعت کی خدمت پر آگئے۔ آپ نے ناظر بیت المال آمد و خرچ اور بعد میں نائب ناظم وقف جدید بیرون کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ ان کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں آپ کے ایک بیٹے نصیر احمد عارف صاحب کو نظارت امور عامہ قادیان میں خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترم ابا جان مرحوم کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ کی تمام خدمات کو قبول کرتے ہوئے آپ کو اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے، جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے اور انہیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

روشنی کی کرن

عطاء المجیب راشد

رقم کر رہا ہوں عزیزانِ مَن
تمہارے لئے چند حرفِ سخن

گھروں سے تم آئے خدا کے لئے
کیا وقف تم نے یہ تن اور مَن

ہے پیشِ نظر بس خدا کی رضا
اسی بات کی ہے دلوں میں لگن

ہو سرشار تم خدمتِ دین سے
نہیں ہے کوئی اس سے بہتر چلن

فرشتوں کا سایہ ہے سر پہ مدام
ہو عزمِ جواں ، سر پہ باندھے کفن

دعائیں خلیفہ کی ہر دم نصیب
نہیں اس سے بڑھ کر کوئی اور دَھن

منادی ہو دینِ محمدؐ کے تم
رہو ہر جگہ ، ہر زماں نعرہ زن

مسیحِ محمدؐ کے جاں باز ہو
فدا کردو اس راہ میں جان و تن

ہو معمار دنیائے فردا کے تم
مٹا ڈالو ظلمت کے نقشِ کہن

مسیحا ہو تم عصرِ بیمار کے
اندھیروں میں ہو روشنی کی کرن

تمہی سے ملے گی نئی زندگی
ہے وابستہ تم سے بہارِ چمن

تم آگے بڑھو راہ پر تیز تر
یقیں سے رہو ہر گھڑی گامزن

بڑھو اپنی قامت میں اِس شان سے
بڑھیں جیسے باغوں میں سرو و سمن

دعاؤں سے معمور ہو ہر گھڑی
ہو رَبّ کا کرم تم پہ سایہ فگن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّــاصر

لندن

23-3-10

مکرم کریم اللہ زیروی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے احمدیہ گزٹ امریکہ کا ''مسیح موعودؑ'' نمبر موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ماشاء اللہ اچھی کوشش ہے۔ اللہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو پہلے سے بڑھ کر خدمت کی توفیق دے اور آپ سب کا حامی ومددگار ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

امریکہ